بھکر داستان

بھکر سے بھکر تک کی تاریخ کا جائزہ

سید جاوید حسین شاہ

سید جاوید حسین شاہ

Syed Javed Hussain Shah
Razai Shah Janoobi, Post office Notak
Tehsil and District Bhakkar
Cell # +92 3217 7855 59
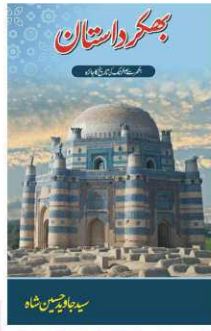
بھکر داستان

(بکھر سے بھکر تک کی تاریخ کا ایک جائزہ)

سید جاوید حسین شاہ

آرٹ لینڈ، اردو بازار چوک اعظم (لیہ) فون:0302-7844094
اسٹاکسٹ: فائن پبلی کیشنز، آفس 16، II۔ سیکنڈ فلور ڈیوس ہائٹس، ڈیوس روڈ لاہور

Sjhs1214@gmail.com

Https://www.facebook.com/syedjaved.hussainshah

03217785559

Https://twitter.com/syed_javed?s=07

ناشر: اردو سخن ڈاٹ کام، پاکستان

نمود اول: 2020ء

نمودِ اول: ــــــــــ 2019ء

کمپوزنگ: ــــــــــ شہریار ناصر

سرورق: ــــــــــ ناصر ملک

طباعت: ــــــــــ شیرِ ربانی پریس، ملتان

قیمت: ــــــــــ 600 روپے (20 یورو، 25 ڈالر)

آرٹ لینڈ، گرلز کالج روڈ، اردو بازار چوک اعظم (لیہ) فون: 0302-7844094

اسٹاکسٹ: فائن پبلی کیشنز، آفس 16، II۔سیکنڈ فلور ڈیوس ہائٹس، ڈیوس روڈ لاہور

urdusukhan@urdusukhan.com

www.urdusukhan.com
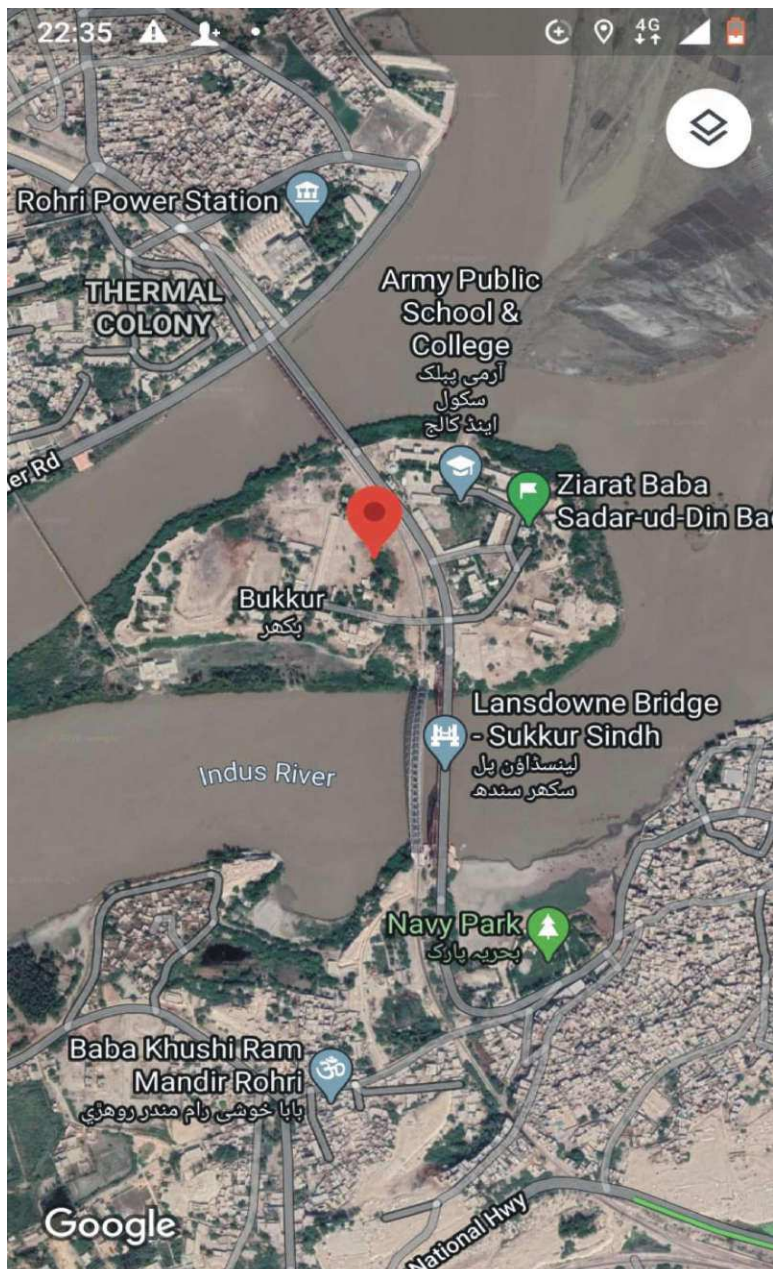
صوبہ سندھ (پاکستان) میں واقع شہر بکھر کا فضائی منظر
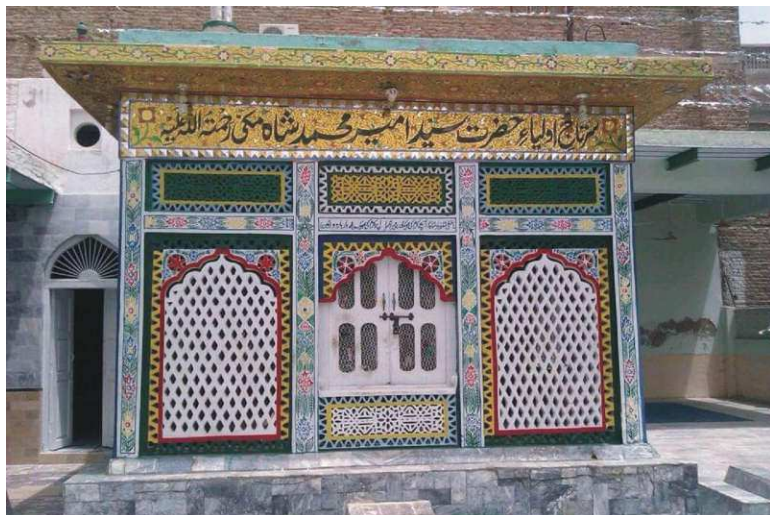
بکھر (سندھ) میں حضرت سید امیر محمد شاہ مکیؒ کا مزار

میر معصوم شاہ مینار، سکھر (سندھ)
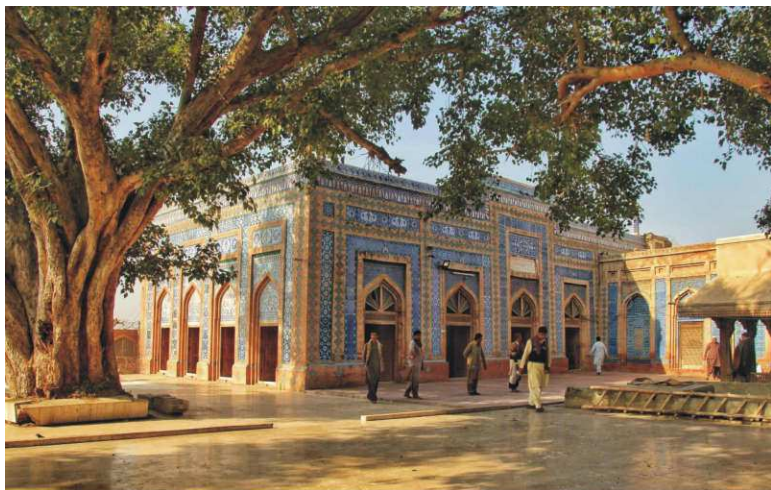
سید جلال الدین سرخ پوش بخاری کا مزار اچ شریف
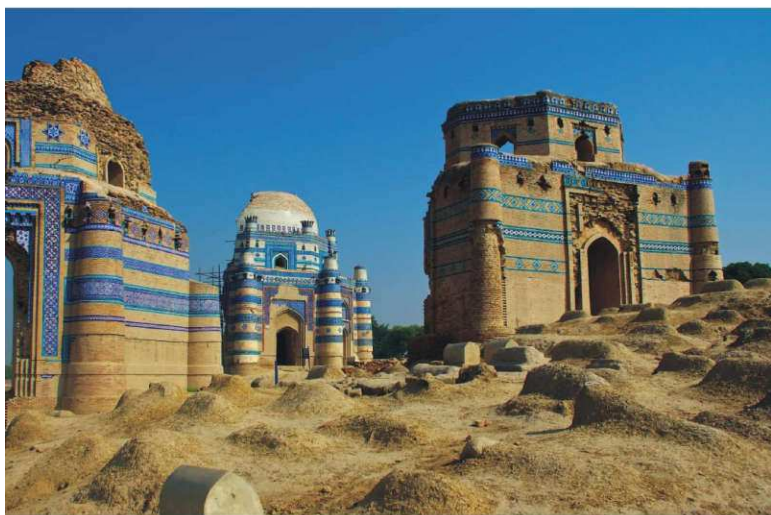
اُچ شریف کے مقابر

لال ماہڑہ کے مقابر
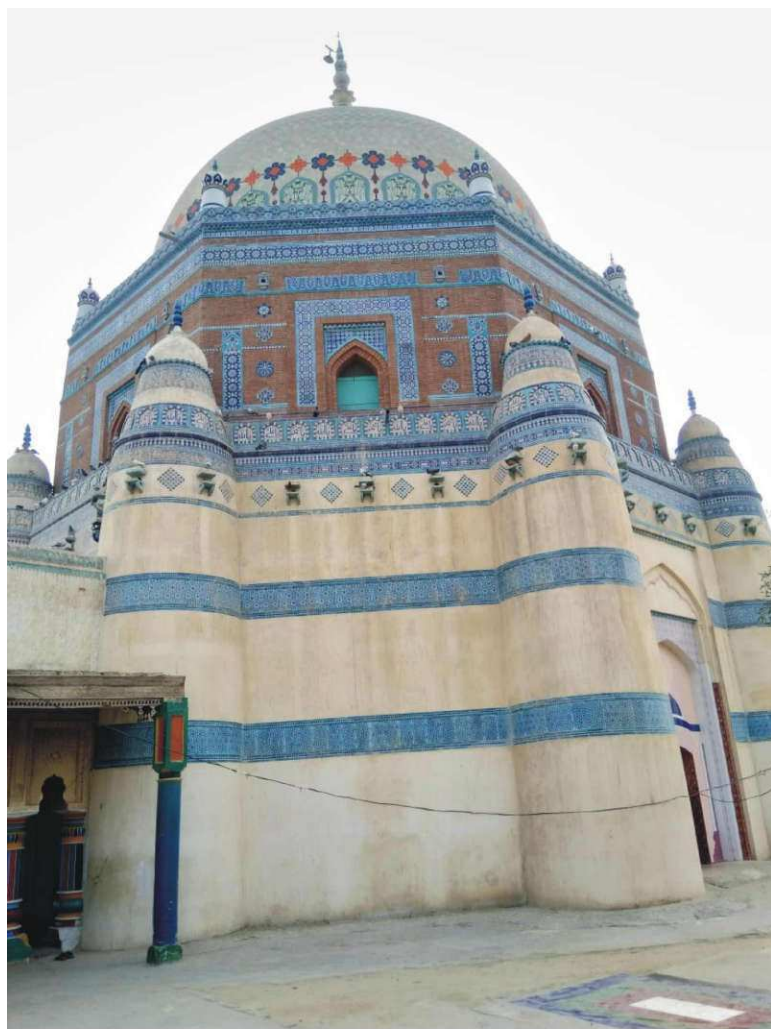
سید محمد راجن شاہ بخاری (سدا بھاگ)

کا ضلع لیہ میں واقع مزار

کتبہ مزار سید محمد راجن شاہ سدا بھاگ کروڑ ضلع لیہ

نقش مزار سید محمد راجن شاہ بخاری سدا بھاگ
کروڑ ضلع لیہ

مقبرہ نوتک خان

مقبرہ نوتک خان کے کھنڈرات
ایک مٹتی ہوئی تاریخ
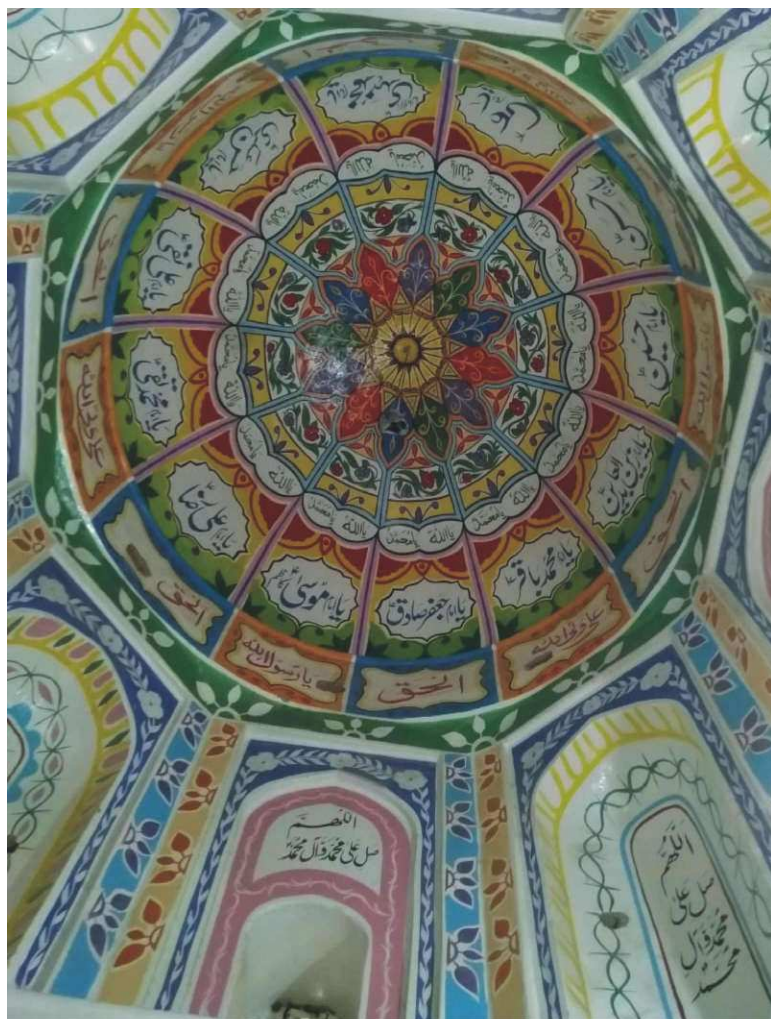
عبدالنبی کلہوڑا کے فرزند

میاں عارف کلہوڑا کے مزار کا اندرونی منظر

دریاخان لاشاری کا مقبرہ ٹھٹھہ

مقبرہ نواب سربلند خان، منکیرہ

مقبرہ سید شاہ حسین باکھری

مسجد رضائی شاہ جنوبی کے دروازے پر لگی کانشی ٹائلز

قلعہ منکیرہ کی تعمیری باقیات

رضائی شاہ جنوبی کے مغرب میں دریائے سندھ کی پوزل کی باقیات اور تخت سلیمان کا نظارہ

تھل کینال بھکر کا ایک خوبصورت منظر

انتساب

اپنے چچا جان--- حاجی سید اقبال حسین شاہ

اپنے والدِ محترم--- حاجی سید لعل حسین شاہ

اور اپنی بیٹیوں

افروز زہرا--- اور --- پامیر زہرا

کے نام!

فہرست

تصاویر:

تمہید

گومل یونیورسٹی میں دورانِ تعلیم پشتون دوستوں کے کلچر اور ان کے قبائل کے رسم و رواج سے میں بہت متاثر ہوا۔ ایک سوچ پروان چڑھی کہ میں کون ہوں؟ میری پہچان کیا ہے؟---میرا کلچر اور اپنی علیحدہ پہچان کیا ہے؟---

اپنے بڑوں سے جب بھی پوچھا تو یہی جواب ملا کہ ہم باکھری سادات ہیں۔اسی تحقیق کی جستجو مجھے بھکر سے راجن شاہ ضلع لیہ، وہاں سے ملتان، وہاں سے اُچ شریف اور پھر بکھر سکھر لے گئی۔گتھیاں سلجھتی گئیں۔اور پھر یہ بنی بھکر داستان۔اپنی شناخت سے خود شناسی اور داستان کی شکل میں ہر اس شخص کے لیے جو آنے والے وقت میں بھکر پر لکھنا اور تحقیق کرنا چاہتا ہے۔یقیناً اس کتاب میں بہت ساری چیزوں کا اضافہ کیا جا سکتا ہے لیکن کچھ سالوں کی کوشش کے بعد میں ان لوگوں سے دلبرداشتہ ہو گیا جو اپنے بزرگوں کے بارے میں کچھ بھی بتانے سے قاصر تھے۔

اپنے والدین، فیملی، کزنز، سید عامر رضا، سید محمد رضا شاہ، سید یاور عباس شاہ، محترم سید مہدی حسن آف بیٹ بوگھا اور سید جواد شاہ آف یوسف شاہ کی حوصلہ افزائی اور میرے شانہ بشانہ اس کاوش میں ساتھ دینے کا بہت شکریہ۔

سید جاوید حسین شاہ

رضائی شاہ جنوبی، ضلع بھکر

مورخہ 9 مارچ 2020ء

پہلا باب

سندھو سائیں کے نام

تلوک چند محروم کے کلام سے اقتباس

اے سندھو تری یاد میں جمنا کے کنارے
آنکھوں سے ابل آتے ہیں احساس کے دھارے

وابستہ طفلی و جوانی وہ نظارے
موجود تصور کی نگاہوں میں ہیں سارے

آزادیٔ تخیل کا اعجاز عیاں ہے
پابندِ مکاں ہے نہ یہ محتاجِ زماں ہے

اک گاؤں ترے ساحلِ کرم پہ ہے آباد
ساحل وہ ترا جلوہ کہ ہے حسنِ خداداد

یہ ساٹھ برس پہلے کی اے سندھ ہے روداد
اس عالمِ پیری میں بھی آتے ہیں مجھے یاد

وہ کھیت، وہ جنگل، وہ جزیرے، وہ سفینے
وہ حسنِ دلآویز کے جاں بخش قرینے

بھولا نہیں عالم تیری امواجِ رواں کا
وہ ماضیء رقصاں میری عمرِ گزراں کا

تُو اور تلاطم میرے ذوقِ نہاں کا
افسوس کہاں میں ہوں یہ قصہ ہے کہاں کا

گو رشتہ کناروں سے ترے توڑ کے آیا
طفلی بھی جوانی بھی وہیں چھوڑ کے آیا

میں وہ کہ لڑکپن سے جو تھا تیرا پجاری
ظاہر میں نہ تھا گر عمل سجدہ گزاری

تھا میری نظر میں کرمِ خالقِ باری
وہ سیر کناروں کی، وہ موجوں کی سواری

چکر تیرے گرداب کے ہیں اب بھی نظر میں
دل میں وہی طوفان ہے سودا وہی سر میں

تقدیسِ چمن سے مجھے انکار نہیں ہے
گر پاک نہیں اس سے سروکار نہیں ہے

کیا کیجیئے وہ آر نہیں پار نہیں ہے
آسودہ کسی طور دلِ آزار نہیں ہے

ساون وہی گھنگھور گھٹائیں بھی وہی ہیں
دکھن کے سمندر کی ہوائیں بھی وہی ہیں

ایسے میں ترا جوشِ طرب یاد جو آئے
دل پہلو میں کس طرح نہ طوفان اٹھائے

دوسرا باب

جب منگول خراسان پر حملہ آور ہوئے تو سید محمد مکی اپنے خانوادے کے ساتھ خراسان سے براستہ ہرات، قندھار اور پشین سے ہوتے ہوئے سندھ تشریف لائے۔ روایت میں ہے کہ آپ صبح کے وقت پہنچے تھے۔ آپ نے دریائے سندھ کی وادی پر ابھرتے سورج کو دیکھتے ہوئے عربی میں یہ الفاظ کہے تھے:

''جعل اللہ بکرتی فی البقعة المبارکة''

ترجمہ: ''اللہ تعالیٰ نے میری صبح کو ایک مبارک علاقے میں منور فرمایا ہے۔''

اور آپ کے پکارے گئے الفاظ کی بنا پر اس جگہ کا نام بکھر مشہور ہو گیا۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ نے اس سرزمین پر پہنچ کر گائے ذبح کر کے خیرات کی۔ عربی میں گائے کے نام کی بنا پر یہ بقر اور بعد میں بگڑ کر ''بکھر'' مشہور ہوا۔

کتب میں یہ بھی ملتا ہے کہ آپ سے پوچھا گیا کہ آپ کہاں رہنا پسند کریں گے۔ آپ نے کہا، ''اس جگہ جہاں گائیں اور ابھرتا ہوا سورج انہیں نظر آئے گا۔''

سید محمد مکی کو اس علاقے میں حکومتِ وقت کی طرف سے جاگیر عطاء کی گئی جس کے

بدلے میں ان کو اس بات کا پابند کیا گیا کہ وہ علاقے میں امن و امان کی صورتِ حال کو سنوارنے میں بھرپور ساتھ دیں گے۔

دریائے سندھ اور ساتھ میں پہاڑوں اور مشرق میں صحرا کی وجہ سے یہ علاقہ امن و امان کے حوالہ سے ہمیشہ مسائل سے دوچار رہا تھا۔

سید محمد مکی اور ان کے خاندان نے یہاں ''بکھر'' کی بنیاد رکھی۔

بلوچ قبائل نے بھی اسی دوران ہی دریائے سندھ کے قریب آبادکاری کی اور انہی بلوچ قبائل نے آپ کو ''میرِ بکھر'' کا خطاب دیا۔ بکھر اور روہڑی کے علاقے کی جاگیر آپ کے خانوادے کے پاس آ گئی۔ کچھ ہی عرصے میں بکھر دریائے سندھ پر ایک اہم دفاعی اور معاشرتی مرکز بن گیا۔ سید محمد مکی کی اولاد بکھر کی نسبت سے باکھری سادات مشہور ہوئی اور برصغیر پاک و ہند میں ان کی اولاد اپنے نام کے ساتھ آج تک ''باکھری سید'' لکھتی ہے۔

ایک برطانوی مصنف ایبٹ نے بکھر کو یوں بیان کیا ہے:

''بکھر روہڑی اور سکھر کے درمیان ایک پرانا قلعہ نما شہر ہے جس کی صبحیں روشن اور شامیں دل فریب اور پورے برصغیر میں مشہور ہیں۔ دریا، صحرا اور پہاڑوں کے ساتھ قربت نے بکھر کو وادیٔ سندھ کا شاندار مرکز بنا دیا ہے۔

''تحفۃ الکرم'' کے مصنف نے بکھر کا پرانا نام ''فرشتۂ'' لکھا ہے اور وضاحت کی ہے کہ سید محمد مکی صبح کے وقت بکھر تشریف لائے اور اس علاقے کو ''بکھر'' کا نام انہوں نے ہی دیا تھا۔

گیارہویں صدی عیسوی سے جب بھنبھور اور منصورہ زوال پذیر ہوئے تو بکھر اپنے محلِ وقوع اور جغرافیائی حیثیت کی وجہ سے نمایاں ہوا اور تقریباً چھ سو سال تک بکھر سندھ کی دفاعی ریڑھ کی ہڈی رہا ہے۔

سندھ کے مشہور جرنیل دریا خان لاشاری نے جام فیروز کی طرف سے ٹھٹھہ کے حکمرانوں سے جنگ صرف بکھر کے ناقابلِ تسخیر ہونے کی وجہ سے جیتی۔ تاریخی حوالوں میں ہے کہ بکھر کے اردگرد ایک میل تک دریائے سندھ کا پھیلاؤ تھا اور سکندرِ اعظم بھی کسی زمانے میں اس کے قریب سے گزرا تھا۔

کچھ تاریخ دان اسے عرب منصورہ بھی کہتے ہیں کیونکہ منصور عربی میں دفاع یا فاتح کو کہتے ہیں۔

ناصرالدین قباچہ کے دور میں بکھر میں دو قلعے تھے۔

شاہ حسین اراغون نے 1528ء میں قلعہ نما جزیرہ کے اردگرد فصیل تعمیر کرائی جس کے بل بوتے پر وہ اسے نصیرالدین ہمایوں کے حملے سے بچانے میں کامیاب ہوا۔

1572ء کے بعد سے سکھر کا تذکرہ اس وجہ سے شروع ہوا کیونکہ بکھر اور موجودہ سکھر کے درمیان دریائے سندھ حائل ہو گیا ورنہ شروع میں ایسا نہیں تھا۔

ہنری پوٹینگر کے مطابق بکھر سکھر سے قدیم ہے اور پرانے سندھ کا دارالحکومت ہے۔

ابوالفضل اپنی کتاب میں سندھ کا منصورہ بکھر کو گردانتا ہے اور آئینِ اکبری میں اس کی تفصیل درج ہے۔

ابنِ بطوطہ نے بکھر کو ایک پھلتا پھولتا شہر لکھا ہے اور اس کی جغرافیائی اہمیت بھی بیان کی ہے۔

1658ء میں منوچی جس نے داراشکوہ کی آرمی کی آرٹلری کو لیڈ کیا تھا، اس نے بھی بکھر کی تفصیل بیان کی ہے۔

میر سید محمد معصوم شاہ باکھری کا تعلق بھی بکھر سے تھا۔ آپ نے تاریخِ سندھ اور تاریخِ معصومی لکھیں۔ آپ نے 1595ء میں مغل افواج کے ساتھ سبی اور پشین کے علاقے فتح

کیے۔

1598ء میں اکبر بادشاہ نے آپ کو سندھ کا گورنر مقرر کیا۔ آپ کے نام سے سکھر میں معصوم شاہ مینار آج بھی موجود ہے جو کہ 1607ء میں سرخ اینٹوں سے تعمیر کیا گیا تھا۔ اسی مینار کے قریب آپ دفن ہیں۔

حوالہ جات:
1. Memories on Syuds of Roree of Bukkur.
2. Tuhfatul Kiram Mir Qane Thathavi
3. Manba Al-Ansab by Syed Moin-ul-Haque
4. Sindh by Abbot
5. History of India by its own historians.
6. The Musalman Role Sind, Baluchistan of Afghanistan by Sheikh Sadiq Ali Ansari.
7. The land of five rivers of Sindh.
8. Gazetteer of the province of Sindh (Sukkur District) by J.W.Smyth

تیسرا باب

میرِ بکھر اور ان کا خاندان

امام علی نقی علیہ السلام کے ایک فرزند سید جعفر ثانی جن کو سید جعفر تواب بھی کہا جاتا ہے، ان کی نسل ان کے فرزند سید علی اکبر سے جاری ہوئی۔ سید علی اکبر کی کنیت سید علی اصغر اور لقب جعفر ہے۔ سید علی اصغر کی ولادت 220ھ میں مدینہ منورہ میں ہوئی اور آپ کا وصال 330ھ میں ہوا۔

سید علی اصغر کے ایک صاحبزادے کا نام سید اسماعیل تھا۔ ان کا اصل نام زید، کنیت ابو نصر اور لقب اسماعیل بن جعفر بن الھادی تھا۔ اور ان کی والدہ حضرت امام حسن مجتبیٰؑ کے خاندان سے سیدہ تھیں۔ حضرت اسماعیل کی وفات 360ھ میں ہوئی اور آپ یمن میں مدفون ہوئے۔

سید اسماعیل کے دو فرزند تھے۔

1۔ سید نصر اللہ

2۔ سید ابوالبقا

سید نصر اللہ کا نام سید عقیل تھا۔ کنیت حسین اور لقب ناصر تھا۔ سید عقیل کی ولادت

310ھ میں ہوئی اور وصال 400ھ میں ہوا۔ سید عقیل کا مزار مشہد مقدس میں سیدنا معروف کرخیؒ کی چلہ گاہ سے متصل ہے جبکہ سید ابوالبقا کی نسل مصر میں ہے۔

سید عقیل کے دو صاحبزادے تھے۔

1۔ سید اشریف

2۔ سید اکرم

سید اشرف کی کنیت سید ابو اشرف احمد اور لقب سید ہارون سرمست ہے۔ آپ کی ولادت 340ھ میں ہوئی۔ آپ کی وفات 430ھ میں ہوئی۔ آپ کی قبر مبارک بغداد میں ہے۔

سید ہارون سرمست کے تین صاحبزادے تھے۔

1۔ سید محمد شریف (سید حمزہ)

2۔ سید عبداللطیف

3۔ سید محمد شجاع

سید محمد شریف کی کنیت ابو اکرم اور لقب سید حمزہ تھا۔ ولادت 360ھ میں ہوئی اور وفات 410ھ میں ہوئی۔ آپ بغداد میں مدفون ہوئے۔

آپ کے ایک صاحبزادے کا لقب سید زید اور کنیت ابوالقاسم تھی۔ آپ کے ایک صاحبزادے سید منور تھے جن کی کنیت ابوابراہیم اور لقب سید ابوالقاسم تھا۔ سید ابوالقاسم کی ولادت 400ھ میں ہوئی جبکہ وصال 480ھ میں ہوا۔ آپ بغداد میں مدفون ہوئے۔

سید ابوالقاسم کے ایک صاحبزادے کا نام سید انور کنیت علی اکبر اور لقب سید ابراہیم تھا۔ سید ابراہیم کی ولادت 420ھ میں ہوئی اور وصال 500ھ میں ہوا۔

سید ابراہیم مدینہ منورۃ میں دفن ہوئے۔ سید ابراہیم کے ایک فرزند کا نام سید امجد، کنیت

ابو احمد اور لقب سید محمد شجاع تھا۔ آپ کی ولادت 440ھ میں ہوئی اور وصال 480ھ میں ہوا۔ آپ مکہ معظّمہ میں دفن ہوئے۔

سید محمد شجاع طوسی مشہد مقدس سید ابراہیم جوادی کے گھر پیدا ہوئے۔ سید ابراہیم جوادی مشہد مقدس کی عالمِ دین شخصیت تھی۔ آپ کے زمانے میں سلجوق ترک حکمران تھے۔ طغرل بیگ کی حکومت میں حسن بن صباح اور اس کے فدائین نے بہت غارت گری برپا کر رکھی تھی۔ طغرل بیگ نے سید ابراہیم جوادی سے دعا کی درخواست کی۔ سید ابراہیم جوادی نے امام رضا علیہ السلام کے روضۂ اقدس میں نماز ادا کی اور اللہ سے دعا کی جس کے طفیل فدائین کی غارت گری میں کمی آ گئی۔

سید ابراہیم جوادی کے فرزند سید محمد شجاع علمِ حدیث اور فقہ میں ماہر تھے۔

فنونِ جنگ و حرب میں مہارت کی بنا پر آپ کو شجاع کا لقب عطاء کیا گیا۔ 1132ء میں ایران اور ترکی کی جنگ میں سید محمد شجاع طوسی خراسان کے گورنر تھے۔ اس جنگ میں آپ نے خراسان کے پہاڑی علاقے میں اپنی فتوحات کے جوہر دکھائے۔

سید محمد شجاع طوسی ایک مرتبہ سفرِ حج کے دوران بغداد میں رکے۔ وہاں آپ کی ملاقات ابو حفص عمر سہروردی سے ہوئی۔ مذہبی اور فقہی گفتگو اور باہمی احترام کی بدولت آپ دونوں میں ایک تعلق قائم ہو گیا۔ ابو حفص عمر سہروردی نے اپنی بیٹی آپ کے عقد میں دے دی اور یوں آپ نے نقوی سادات کی قرابت داری کا آغاز سلسلۂ طریقت سہروردیہ سے کیا۔

ابو حفص عمر سہروردی ایک ایرانی صوفی اور سلسلۂ طریقتِ سہروردیہ کے بانی ابو نجیب سہروردی کے بھتیجے تھے۔ ابو حفص عمر سہروردی نے سلسلہ سہروردیہ پر ایک کتاب ''عوارف المعارف'' بھی لکھی جو کہ صوفیانہ طریقت کا ایک اعلیٰ نمونہ ہے۔

شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی شاگردی کے سبب آپ دنیائے صوفیاء میں ایک اعلیٰ مقام

رکھتے ہیں۔

سید محمد شجاع کو اللہ تعالیٰ نے 1145ء میں ایک فرزند عطا فرمایا۔ آپ نے اپنے فرزند کا نام ''محمد'' رکھا اور مکہ میں پیدائش کے سبب ان کو ''سید محمد مکی'' پکارا جانے لگا۔

سید محمد مکی

سید محمد مکی نے دینی تعلیمات اپنے دادا سید ابراہیم جوادی، والد محترم سید محمد شجاع سے حاصل کیں۔ آپ نے یمن میں بھی عسکری خدمات سرانجام دیں۔

1174ء میں جب صلاح الدین ایوبی کے بھائی طوران شاہ نے یمن فتح کیا اور عباسی حکمرانوں سے الحاق کیا، اس وقت سید محمد مکی نے یمن کے علویوں کی سربراہی کی اور عباسی فوج کے ساتھ جنگ کی۔ سید محمد مکی نے 10 سال یمن میں گزارے۔ یمن سے آپ مکہ اور مدینہ سے ہوتے ہوئے کربلا آئے۔ کربلا سے بغداد اور مشہد میں تشریف لے گئے۔ مشہد سے براستہ ہرات اور قندھار آپ کے سندھ آنے کے متعلق تین تاریخی روایات ہیں۔

پہلی روایت:

جب منگول اور تاتار افواج نے خراسان کے علاقے پر یلغار کی تو سید محمد مکی نے اپنے اہل وعیال کے ساتھ خراسان سے ہجرت کی۔ آپ ہرات سے براستہ قندھار، شالکوٹ، پشین کے راستے سرزمینِ سندھ میں آئے۔

آپ صبح کے وقت سندھ کے علاقے میں وارد ہوئے۔ ابھرتے سورج کے دلکش نظارے، دریائے سندھ کے پانی کی فراوانی اور سرزمینِ سندھ کی زرخیزی کو دیکھتے ہوئے

آپ نے یہ الفاظ کہے:

''جعل اللہ بکرتی فی البقعۃ المبارکۃ''

ترجمہ:''اللہ نے مجھے پر امن صبح عنایت فرمائی ہے۔''

جب آپ سے لوگوں نے پوچھا کہ آپ کہاں رہنا پسند کریں گے تو آپ نے فرمایا کہ جہاں مجھے گائے کی گھنٹی کی آواز سنائی دے گی اور میں سورج کو طلوع ہوتے دیکھ سکوں گا، میں وہاں قیام کروں گا۔

عربی زبان میں گائے کے لیے مخصوص لفظ ''بقر'' ہے اور سید محمد مکی کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ میں سے لفظ ''بکر'' کی نسبت سے آپ نے اس سرزمین کا نام ''بکھر'' رکھا۔

دوسری روایت:

دوسری روایت یہ ہے کہ آپ جب مشہد سے براستہ ہرات، قندھار سے ہوتے ہوئے سندھ آئے تو آپ کے ہمراہ 30 ہزار افراد کا لشکر تھا اور آپ نے جزیرہ بکھر کو اپنا مسکن بنایا جس کا پرانا نام فرشتہ تھا۔

تیسری روایت:

تیسری روایت یہ ہے کہ جب آپ ہرات میں تھے اور خراسان کے معاملات دیکھ رہے تھے، تب علاؤ الدین خلجی جو کہ ہندوستان کے حکمران تھے، ان کی طرف سے سندھ میں جاگیر عطا کی گئی اور آپ نے اپنے اہل و عیال سمیت ہات سے سندھ کی طرف ہجرت کی اور بھکر کو آباد کیا۔ آس پاس کے بلوچ قبائل نے آپ کو میرِ بکھر کا خطاب دیا اور یوں آپ

نے اس علاقے میں سادات نقویہ کی بنیاد رکھی۔

''بکھر'' ایک جزیرہ کی شکل میں دریائے سندھ کے پانیوں میں گھرا ہوا علاقہ ہے۔ یہ ایک چٹان پر مشتمل علاقہ ہے جو کہ روہڑی اور سکھر کے درمیان دریائے سندھ میں موجود ہے۔

سید محمد مکی کو علاقے میں امن و امان میں مدد کے عوض روہڑی میں جاگیر عطا کی گئی۔ سید محمد مکی نے بکھر میں قیام کے دوران اسلامی تعلیمات کی ترویج میں نمایاں خدمات سرانجام دیں۔ سید محمد مکی 1246ء میں 101 سال کی عمر میں وفات پا گئے۔ آپ قلعہ اراک میں جو سکھر اور بکھر کے درمیان ہے، مدفون ہیں۔ سید محمد مکی کی اولاد کو بکھر میں رہنے کی وجہ سے ''باکھری'' یا ''بھاکری'' سادات کہا جاتا ہے۔ آپ کی اولاد میں مندرجہ ذیل فرزند مشہور ہیں۔

1۔ سید بدرالدین بھاکری:

آپ کی پیدائش 1205ء میں سے 1210ء کے درمیان ہوئی۔ فقہ میں عبور اور روحانی خوبیوں کی بدولت آپ نے بہت نام کمایا۔ روایات میں ہے کہ ایک مرتبہ سید بدرالدین بھاکری نے خواب میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کی جس میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کو اپنی بیٹی کو سید جلال الدین بخاری کے عقد میں دینے کا حکم صادر فرمایا تھا۔

جب سید جلال الدین بخاری بکھر تشریف لائے اور آپ نے سید بدرالدین سے ان کی بیٹی کا رشتہ طلب کیا تو سید بدرالدین کے بھائیوں سید صدرالدین، سید ماہ اور سید شمس الدین نے اس رشتہ پر اعتراض کیا۔ ان کو اعتراض تھا کہ ایک گمنام سید جو اپنے آپ کو بخارا سے

بتا تا ہے، اس کو رشتہ دینا درست نہیں ہے۔ جب سید بدرالدین نے رشتہ کی ہاں کر دی تو سید بدرالدین کے بھائیوں نے شرط رکھ دی کہ اگر آپ سید جلال الدین بخاری کو رشتہ دیتے ہیں تو آپ کو بکھر چھوڑ کر جانا ہو گا۔ سید بدرالدین نے سید جلال الدین بخاری کے ساتھ بکھر سے اُچ کی طرف ہجرت کی اور یوں باکھری اور بخاری سادات کا نسل در نسل تعلق کا سلسلہ چل پڑا۔

سید بدرالدین کی ایک شادی ہندوستان کے حکمران علاؤالدین خلجی کی بیٹی سے بھی ہوئی جس سے آپ کے دو فرزند پیدا ہوئے۔

1۔ سید محمد مہدی

2۔ سید سعداللہ

2۔ سید صدرالدین باکھری (خطیبِ سندھ):

سید محمد مکی کے دوسرے فرزند سید صدرالدین کی پیدائش 1204ء میں بکھر میں ہوئی۔ آپ علومِ فقہ وتصوف میں اعلیٰ پائے کے عالمِ دین تھے اور سکھر میں جامع مسجد میں خطیب تھے۔ اسی وجہ سے آپ کو خطیبِ سکھر بھی کہا جاتا ہے۔

سید صدرالدین باکھری کے فرزند سید علی بدرالدین کی اولاد میں سے سید مرتضیٰ شعبان الملت بہت مشہور ہوئے۔ آپ کی اولاد نے الٰہ آباد کی طرف ہجرت کی۔

3۔ سید ماہ:

سید محمد مکی کے تیسرے فرزند سید ماہ تھے۔ آپ یمن میں پیدا ہوئے۔ روایات میں آپ

کی اولاد کا ذکر نہیں ملتا۔

4۔سید شمس:

سید شمس سید محمد مکی کے چوتھے فرزند تھے۔آپ کی پیدائش یمن میں ہوئی۔آپ نے اپنے والد کے ہمراہ سندھ میں ہجرت کی۔آپ سے کوئی اولاد منسوب نہیں ہے۔

حوالہ جات:

1. Manba Al Ansab by Syed Moeen ul Haq.
2. The land of five rivers of Sindh by Chapman of Hall.

3۔تاریخِ جاگیرِ بکھر، باکھری سادات

4۔تاریخِ فرشتہ

5. Memories of Syuds of Roree of Bukkur
6. A Gazetteer of Province of Sindh.
7. History of India by its own historians.
8. The musalman Races found in Sindh, Baluchistan and Afghanistan.

9۔تاریخِ معصومی۔ازسید محمد معصوم باکھری

10۔تحفۃ الکرم، ازسید میر علی شیر قانع ٹھٹھوی

11. Sind a re-interpretation of unhappy valley by J.Abbot i.c.s 1924 Bombay.

چوتھا باب

اُچ شریف

بکھر سے سادات کی اچ شریف میں آمد سید جلال الدین سرخ پوش کے ساتھ ہوئی۔
برصغیر کا قدیم ترین شہر اُچ شریف ہے۔
روایات میں ہے کہ سکندرِاعظم نے اسکندریہ کے نام سے یہ شہر دو دریاؤں کے سنگم پر آباد کیا۔
شاہ محمود غزنوی نے جب اسے فتح کیا تو اس وقت اس کا نام بھاٹیہ تھا۔ سید جلال الدین سرخ پوش کی آمد کے بعد یہ اُچ بخاری مشہور ہوا اور سید جلال الدین سرخ پوش بخاری نے یہاں سلسلہء جلالیہ کی بنیاد رکھی۔ آپ کے ہاتھوں سندھ کے ڈاہر، چدھڑ، ورڑ، سیال اور راجپوت قبائل نے اسلام قبول کیا۔
سندھ کے ہر حکمران نے اُچ پر قبضہ کرنا ضروری سمجھا کیونکہ اس کی جغرافیائی حیثیت اسے ایک مرکزی شہر کا درجہ دیتی تھی۔
سومرہ خاندان کے زوال کے وقت ناصر الدین قباچہ کو مملوکِ دہلی کی طرف سے اُچ کا گورنر بنایا گیا۔ قباچہ نے اُچ، بکھر اور ملتان پر حکومت کی اور کچھ روایات کے مطابق اس

نے دہلی کے حکمرانوں سے بغاوت بھی کی۔

سندھ سے قبائل کی ہجرت اُچ کے راستے ہی پنجاب کی طرف ہوئی۔

ایک ایسے وقت میں جب پانی ہی زندگی کی بنیادی ضرورت تھا، جنوب، مشرق اور مغرب سے لوگ اُچ کی طرف ہجرت کر کے آئے اور اسی شہر کو اپنا وطن بنایا۔ اچ کے مقابر میں موجود فنِ تعمیر کبھی ٹھٹھہ کی یاد دلاتا ہے تو کبھی اس میں بخارا اور ایرانی اور ترک فنِ تعمیر کی جھلک نظر آتی ہے۔

1245ء میں اچ پر منگولوں نے قبضہ کیا۔ 1305ء میں غیاث الدین تغلق نے اُچ پر قبضہ کر لیا۔ 1398ء میں اچ پر امیر تیمور کے پوتے پیر محمد نے قبضہ کر لیا اور اُچ کے علاقے کو خاندانِ سادات کے خضر خان کے حوالے کر دیا۔

پندھرویں صدی عیسوی کے اوائل میں اُچ پر ملتان کے لنگاہ خاندان نے قبضہ کر لیا۔

سندھ کے حکمران سمہ خاندان کے کچھ افراد اپنے جام نظام الدین (جام نندہ) کے عتاب کا شکار ہوئے اور جان بچا کر ملتان کے لنگاہ خاندان کے پاس پناہ لی۔ ان میں سے جام بایزید اور جام ابراہیم بہت مشہور ہیں۔

لنگاہوں نے جام بایزید کو اُچ کی جاگیر کا گورنر بنایا اور جام ابراہیم کو شورکوٹ کی جاگیر عطا کی۔ اس زمانے میں بعض مورخین نے شورکوٹ کو صرف شور لکھا ہے۔

ان سمہ گورنروں نے سندھ سے آنے والے قبائل کی پذیرائی کی اور انہیں اپنے علاقوں میں آباد ہونے میں مدد دی۔

اسی زمانے میں میر چاکر خان رند بھی سبی سے اپنے قبائل کے ساتھ اُچ شریف تشریف لائے۔ جام بایزید نے اُچ کے دفاعی معاملات کو میر چاکر اور ان بلوچ قبائل کے حوالے کر دیا اور یہیں سے ایک نئی معاشرتی کہانی کی ابتدا ہوئی۔

سندھ سے آنے والے لوگوں اور بلوچستان کے قبائل نے یہاں رسم ورواج اور ثقافت کے نئے مشترکہ پہلوؤں کو جنم دیا۔

میر چاکر اعظم کے دو فرزند تھے۔

1۔میر شاہ داد

2۔میر شہک

تاریخِ فرشتہ کے مطابق میر شاہ داد نے ہی اپنے بلوچ قبائل میں سب سے پہلے شیعیت فرقے کو اپنایا اور یقیناً ایسا اُچ شریف میں بخاری سادات کی عقیدت میں ہوا ہوگا۔

اُچ شریف شہر کو تین حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

1۔اُچ بخاری

2۔اُچ گیلانی

3۔اُچ مغلاں

اُچ کے مندرجہ بالا حصوں کی کچھ تفصیل بیان کی جاتی ہے۔

1۔اُچ بخاری:

اچ بخاری میں مندرجہ ذیل شخصیات کے مزارات واقع ہیں۔

سید صفی الدین گاذرونی

سید جلال الدین سرخ پوش بخاری

سید احمد کبیر بخاری

سید مخدوم جہانیاں جہاں گشت

سید صدرالدین راجن قتال

سید بدرالدین باکھری

بی بی جیوندی

2۔اُچ گیلانی:

اُچ گیلانی اُچ بخاری کے قریب ہے۔اس میں مندرجہ ذیل شخصیات کے مزارات واقع ہیں۔

حضرت سید شاہ محمد غوث بندگی گیلانی

سید عبدالقادر گیلانی ثانی

سید مبارک شاہ حقانی گیلانی

سید حامد گنج بخش گیلانی

قطب الدین لنگاہ والیء ملتان واُچ

کبیرالدین حسن دریا

3۔اُچ مغلاں:

اُچ مغلاں میں مندرجہ ذیل شخصیات کے مقابر واقع ہیں۔

جمال الدین خنداں روخجندی

رضی الدین گنج علم

ان کے علاوہ جامع مسجد اُچ مغلاں بھی یہاں واقع ہے۔

سید جلال الدین بخاری سرخ پوش

آپ امام علی نقی علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں۔ آپ کا اصل نام سید جلال الدین حیدر رکھا گیا تھا۔ سرخ لباس پہننے کی وجہ سے آپ سرخ پوش اور بخارا کی نسبت سے بخاری مشہور ہوئے۔ آپ کے دیگر القابات میں سے میر بزرگ، مخدوم الاعظم، شیر شاہ اور عظیم اللہ بھی شامل ہیں۔

منگولوں کے حملوں سے تنگ آ کر آپ نے بخارا سے برصغیر کی طرف ہجرت کی اور کروڑ، ملتان، اچ شریف سے ہوئے آپ بکھر تشریف لے گئے۔ بکھر میں آپ کی شادی سید بدرالدین باکھری کی بیٹی سے ہوئی۔ وہاں سے آپ پھر اچ شریف تشریف لے گئے اور اُچ میں ہی آپ نے سلسلۂ جلالیہ کے تصوف کی بنیاد رکھی۔ کچھ روایات اسے خانقاہ بخاریہ بھی بتاتی ہیں۔

اُچ شریف میں قیام کے دوران آپ نے قابلِ قدر تبلیغی اور علمی خدمات سرانجام دیں اور آپ کی ہی وجہ سے اُچ شریف کا نام اُچ بخاری میں تبدیل ہو گیا۔ آپ کے ہاتھوں سندھ کے ڈاہر، ورڑ، چدھڑ، سیال اور راجپوت قبائل نے اسلام قبول کیا۔ سیال قبائل نے آپ کے کہنے پر ہی جھنگ شہر کو آباد کیا اور جھنگ میں اُچ نوری گل امام اور شاہ جیونہ میں آپ کی اولاد میں سے کچھ بزرگ دفن ہوئے ہیں۔

سید جلال الدین سرخ پوش بخاری کی وفات 95 برس کی عمر میں اچ شریف میں ہوئی۔ روایت میں آپ کی وفات کی تاریخ 19 جمادی الثانی 690ھ ہے جو کہ 1295ء عیسوی سال بنتا ہے۔ آپ کے مقبرہ کی موجودہ عمارت نواب آف بہاولپور (بہاول خان ثالث) نے تعمیر کروائی۔

کتاب الانساب کے مطابق آپ کے پانچ فرزند ہیں۔

سید علی بخاری

سید شاہ محمد غوث بخاری

سید احمد کبیر بخاری

سید جعفر بخاری

سید بہاؤ الدین معصوم بخاری

1۔سید علی بخاری:

آپ کی پیدائش 7 شوال 622ھ میں ہوئی اور وفات 670ھ میں ہوئی۔

2۔سید شاہ محمد غوث بخاری:

آپ کی پیدائش 26 شعبان 645ھ میں ہوئی۔آپ کی وفات 17 محرم 710ھ میں ہوئی اور آپ سید جلال الدین بخاری کی قبر کے دائیں طرف مدفون ہیں۔آپ کی شادی سید سعید اللہ بن سید بدر الدین باکھری کی بیٹی سے ہوئی جن سے آپ کے چار فرزند اور ایک بیٹی پیدا ہوئی جن کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

سید عبد الغیث

سید ابو سعید

سید ابو الکریم

سید شمس الدین

سیدہ عائشہ بی بی

3۔سید احمد کبیر بخاری:

سید جلال الدین سرخ پوش بخاری کے تیسرے فرزند سید احمد کبیر بخاری تھے۔آپ کی والدی ماجدہ بکھر کے معروف بزرگ سید بدرالدین باکھری کی صاحبزادی تھیں جن کا نام فاطمہ سیدہ تھا۔آپ اپنے والد گرامی کے مجاز خلیفہ اورمرید تھے۔روایات کے مطابق آپ نے 750ھ میں وفات پائی اور آپ کا مزار درگاہِ جلال الدین سرخ پوش کے اندر واقع ہے۔آپ کے دو فرزند تھے۔ایک کا نام حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت اور دوسرے فرزند کا نام سید صدرالدین راجن قتال تھا۔

4۔سید جعفر بخاری:

آپ چوتھے فرزند ہیں اورآپ کی پیدائش 626ھ میں ہوئی۔آپ کی وفات 700ھ میں ہوئی اورآپ بخارا میں دفن ہیں۔

5۔سید بہاءالدین معصوم:

آپ سید جلال الدین سرخ پوش بخاری کے وہ فرزند ہیں جو چھوٹی عمر میں ہی وفات پا گئے تھے۔

حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت

آپ 14 شعبان 707ھ میں پیدا ہوئے۔آپ کے والد کا نام سید احمد کبیر بخاری تھا۔

آپ کی تعلیم وتربیت اپنے والد گرامی سید احمد کبیر بخاری اور چچا سید صدرالدین محمد غوث اور شیخ جمال درویش خنداں رو کے زیر سایہ ہوئی۔ اور آپ نے فقہ اور اصولِ فقہ کی کتب/تعلیم شیخ بہاء الدین اُچوی سے حاصل کیں۔ اپنے استاد محترم شیخ بہاء الدین اچوی کی وفات کے بعد آپ ملتان تشریف لے گئے اور ملتان میں شاہ رکن عالم ملتانی کی محفل میں درس وتدریس حاصل کی۔ اس کے بعد آپ مکہ معظّمہ تشریف لے گئے اور وہاں شیخ عبداللہ یافعی اور شیخ عبداللہ مطری سے تصوف کی کتب کا درس لیا۔ مدینہ منورہ میں آنے کے بعد آپ نے مولانا شہاب الدین سہروردی کی کتاب ''عوارف المعارف'' کا درس بھی شیخ عبداللہ مطری سے حاصل کیا۔ سلطان محمد تغلق نے حضرت جہانیاں جہاں گشت کو شیخ الاسلام مقرر کیا تھا۔ لیکن آپ کو سیر وسیاحت کا بہت شوق تھا اور اسی وجہ سے آپ کو جہاں گشت کہا جاتا تھا۔

سید بہاول حلیم بخاری

آپ سید جلال الدین سرخ پوش کے پوتے تھے اور آپ کا زیادہ تر وقت اپنے دادا اور جہانیاں جہاں گشت کے ساتھ گزرتا تھا۔ آپ کی پہلی شادی خراسان کے والی سلطان محمد دلشاد کی بیٹی سے ہوئی جس کا نام خدیجہ تھا۔ بی بی خدیجہ دختر سلطان محمد دلشاد سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک بیٹی عطا کی جس کا نام آپ نے بی بی جندوڈی رکھا اور جو بعد میں بی بی جیوندی کے نام سے مشہور ہوئیں۔ بی بی جیوندی کے انتقال کے بعد ان کے نانا والیٔ خراسان نے 1494ء میں ان کا مقبرہ تعمیر کروایا جس پر وسطِ ایشیا، ترک اور ایرانی فنِ تعمیر کے اثرات نمایاں ہیں۔ بی بی جیوندی کے مزار اور ساتھ والے مقابر کو یونیسکو نے عالمی ورثہ میں شامل کر رکھا ہے۔ جس ماہر آرکیٹیکٹ نے یہ مقبرے تعمیر کیے، اس کا اپنا مقبرہ بھی بی بی جیوندی اور مقبرہ بہاول حلیم کے پاس موجود ہے۔ فنِ تعمیر میں یہ مقابر اپنی مثال آپ ہیں۔

سید بہاول حلیم بخاری کی دوسری شادی دختر سید احمد بن سید محمد مہدی بن سید مرتضٰی بن سید بدرالدین باکھری سے ہوئی جن سے آپ کے تین بچے، سید مبارک شاہ، سید سراج الدین شاہ اور بی بی ہاجرہ پیدا ہوئے۔

سید بہاول حلیم بخاری نے 771ھ میں وفات پائی اور آپ اُچ شریف میں ہی دفن ہیں۔

سید صدرالدین راجن قتال بخاری

آپ سید احمد کبیر بخاری کے چھوٹے فرزند اور حضرت جہانیاں جہاں گشت کے بھائی تھے۔ آپ کی پیدائش 26 شعبان 730ھ کو ہوئی اور آپ کا نام سید صدرالدین باکھری کی نسبت سے سید صدرالدین رکھا گیا۔ آپ کی طبیعت میں جلال کی وجہ سے آپ کو قتال کا لقب دیا گیا۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ ترکی زبان میں کتال بزرگ کو کہتے ہیں جبکہ برصغیر میں یہ ''کتال'' سے ''قتال'' بن گیا۔

سید صفی الدین گاذرونی

اُچ شریف کے اولین اولیا اور سادات میں آپ کا نام آتا ہے۔ آپ 370ھ میں اس علاقے میں آئے اور آپ 398ھ میں 97 برس کی عمر پا کر خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ اس وقت اُچ کا نام ''ارور'' تھا۔ آپ کا شجرہ نسب یوں ہے:

سید صفی الدین بن سید محمد بن سید علی بن سید ابی محمد بن سید جعفر بن سید علی بن عبدالشمّس الدین بن سید ہارون بن سید عقیل بن سید اسماعیل بن سید علی اصغر بن سید جعفر ثانی بن

حضرت سید امام علی نقیؑ۔

علی بن حامد بن ابوبکر کوفی

ناصر الدین قباچہ کے دور میں اُچ کی علمی شخصیت علی بن حامد بن ابوبکر کوفی اُچ میں آ کر آباد ہو گئے۔ یہیں اُچ شریف میں ہی آپ نے ''الہند والسنہ ومنہاج المسالک'' نامی کتاب جسے قاضی اسماعیل بن علی ثقفی نے مرتب کیا تھا، اس کو آپ نے فارسی میں ترجمہ کیا اور یہ کتاب ''چچ نامہ'' کے نام سے مشہور ہوئی۔

''چچ نامہ'' شروع میں عربی میں لکھی گئی تھی اور بعدازاں یہ کتاب نایاب ہوگئی تھی۔ علی بن حامد کوفی نے یہ نایاب کتاب بکھر کے ثقفی خاندان سے حاصل کی اور اس کو فارسی میں ترجمہ کیا۔

علی بن حامد کوفی کا انتقال بھی اُچ شریف میں ہوا لیکن آپ کی قبر کا کسی بھی نہیں پتہ کہ کہاں، کس محلہ میں واقع ہے اور نہ ہی کسی کے پاس اس کی تفصیل وشواہد موجود ہیں۔

قاضی منہاج السراج

''طبقاتِ ناصری'' کے مصنف قاضی منہاج السراج کے والد قاضی سراج الدین محمد دہلوی تھے جو شہاب الدین غوری کے زمانہ میں قاضیء وقت تھے۔ ان کو لاہور کے گورنر حسام الدین علی کرماخ نے 1186ء میں لاہور کا قاضی مقرر کیا تھا۔

منہاج السراج ناصر الدین قباچہ کے عہد میں اُچ شریف آئے اور ناصر الدین قباچہ نے آپ کو اُچ شریف کی درس گاہ فیروزیہ کا انچارج مقرر کیا۔ آپ نے ''طبقاتِ ناصری''

میں اپنی اچ میں آمداور رہائش کا تفصیل سے ذکر کیا ہے۔آپ نے طبقاتِ ناصری لکھنے کا آغاز 645ھ میں کیا اور 658ھ میں اس کو مکمل کر دیا۔ناصرالدین نام کے تین بادشاہوں سے آپ متاثر تھے۔

1۔ناصرالدین ابوبکر والیء ہرات

2۔ناصرالدین قباچہ

3۔ناصرالدین محمود

ناصرالدین محمود کی پارسائی سے آپ بہت متاثر تھے اور اسی وجہ سے آپ نے اپنی کتاب کا نام ''طبقاتِ ناصری'' رکھا تھا۔

حوالہ جات:

1. Imperial Gazetteer of India 1908.
2. Uch Monuments by UNESCO
3. The Maeedonian Empire by James R. Ashley
4. Maclean, Derryl N. Religion and Society in Arab Sind 1989.
5. Wink, Andre 1997 Alhind the making of the Indo-Islamic world. The slave king of Islamic conquest.
6. Glossary of Tribes and Castes of Punjab and NWFP.

7۔جدید تاریخِ اُوچ

8۔اُوچ آثار وقدامت

9۔تاریخِ اوچ

10۔مدینۃ الاولیاء اُوچ شریف

پانچواں باب

لنگاہ خاندان

رائے سہرہ لنگاہ کا تعلق سبی سے تھا۔ کچھ مصنفین اسے بلوچ قبیلہ بتاتے ہیں جبکہ بعض نے انہیں راجپوت لکھا ہے۔ رائے سہرہ نے ملتان پر قبضہ کرنے کے بعد قطب الدین لنگاہ کا لقب اختیار کیا۔ قطب الدین لنگاہ نے 1454ء سے لے کر 1470ء تک ملتان پر حکومت کی۔ 1470ء میں آپ کا انتقال ہو گیا۔

قطب الدین لنگاہ کے فوت ہونے کے بعد اس کا ایک بیٹا سلطان حسین لنگاہ کے نام سے تخت پر براجمان ہوا اور اس کی ذہانت اور قابلیت کا چرچا ہونے لگا۔

سلطان حسین لنگاہ علماء اور صوفیاء کا بہت قدردان تھا۔ آپ نے اچ اور ملتان کے سادات کو جاگیریں عطا کیں اور اچ کے سادات خانوادے میں لنگاہ شہزادیوں کی شادیاں بھی ہوئیں۔

انہی دنوں ملتان کے سرحدی علاقوں میں تجارتی قافلوں کو لوٹ لیا جاتا تھا۔ لنگاہ حکمرانوں نے بلوچ قبائل کی آبادکاری اپنے سرحدی علاقوں میں کروائی اور میر سہراب خان کی سرپرستی میں بلوچ قبائل کو دھن کوٹ سے لے کر کوٹ کروڑ تک دریائے سندھ کے

دونوں طرف آباد کیا گیا۔

میر سہراب کی اولاد میں سے جام اسماعیل خان نے ڈیرہ اسماعیل خان کے نام سے دریائے سندھ کے کنارے شہر بسایا۔ گودار سے حاجی خان میرانی بھی اپنے بیٹے غازی خان میرانی کے ساتھ ملتان آیا اور اسے بھی ڈیرہ جات میں دریائے سندھ کے آس پاس جاگیریں دی گئیں۔ غازی خان نے اپنے نام سے ڈیرہ غازی خان شہر بسایا اور اسی غازی خان میرانی کی اولاد میں سے ایک بلوچ کمال خان میرانی نے پہلے ''کوٹ کمال'' بسایا جو کہ بعد میں ''کوٹ کمال'' سے ''لیہ'' مشہور ہو گیا۔ انہی میرانی سرداروں نے میر چاکر اعظم کی اولاد میں بھکر، منکیرہ اور تھل کے علاقے تقسیم کیے تھے اور جہان خان نام کا قصبہ غازی خان دوئم کے نام پر بسایا گیا۔ غازی خان دوئم کا اصل نام جہان خان تھا۔

سید محمد راجن شاہ بخاری

آپ سید جلال الدین سرخ پوش بخاری کی اولاد میں سے ہیں۔ آپ کے والد کا نام سید حامد کبیر ثانی تھا۔ آپ کے والد نے اپنے خانوادے کے ساتھ ہجرت کی اور بلوٹ شریف میں رہائش پذیر ہوئے۔ سید محمد راجن شاہ بخاری برصغیر میں فقہ جعفریہ کے مجتہد قاضی نور اللہ شوستری کے ہم عصر ہیں۔ آپ شرعی علوم میں بہت فاضل شخصیت تھے۔ آپ کو ''سدا بھاگ'' بھی کہا جاتا ہے۔ سید محمد راجن شاہ بخاری کی اولاد مبارک خان لنگاہ کی بیٹی سے ہوئی۔ جس سے آپ کا ایک بیٹا سید زین العابدین پیدا ہوا۔

تاریخ دانوں کے مطابق جب نصیر الدین ہمایوں مغل بادشاہ کو ایرانی صفوی خاندان نے دہلی کا تخت واپس حاصل کرنے میں مدد دی تو اس وقت مغل بادشاہ کو برصغیر میں اہلِ تشیع کی سرپرستی کرنے کی بھی درخواست کی گئی۔ نصیر الدین ہمایوں اپنے زمانے میں اہلِ تشیع

علماء اور بالخصوص سادات کو بہت ادب اور احترام سے نوازنے لگا۔

راجن شاہ کا موجودہ مقبرہ بھی انہی مغل بادشاہوں کی طرف سے عقیدت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

کیونکہ ان دنوں دریائے سندھ کے راستے کشتی کے ذریعے سفر ہوتا تھا، اس لیے اُچ شریف سے سادات براستہ دریائے سندھ بلوٹ شریف اور عیسیٰ خیل کی طرف گئے۔

انہی دریائی سفر کے دوران انہوں نے موجودہ بھکر کو دریائے سندھ کے کنارے دیکھا اور شنید ہے کہ سندھ کے بکھر کی نسبت سے اسے بھکر کا نام دیا۔ اس وقت بھکر کے تین اطراف پانی تھا اور اس کی ہیئت پرانے بکھر سے مشابہت رکھتی تھی۔

سید محمد راجن شاہ بخاری اور سادات خاندانوں کو اس علاقے میں بلوچ اور جاٹ اقوام نے بہت عزت دی اور انہیں روحانی پیشوا کا درجہ دیا۔ ہر آباد ہونے والے علاقے میں سادات کو بسایا گیا تاکہ وہ اپنے مریدین کے لیے باعثِ روحانیت بنیں اور ان کی اسلامی عقائد کی پیروی میں معاونت کریں۔

سید محمد راجن شاہ بخاری کا شجرہ یوں ہے:

مخدوم سید محمد راجن شاہ بخاری بن سید حامد کبیر ثانی بن سید کیمیا نظر بخاری بن سید رکن الدین بخاری بن سید حامد کبیر بخاری بن سید ناصر الدین محمود بخاری بن سید جلال الدین حسین جہانیاں جہاں گشت بن سید احمد کبیر بخاری بن سید جلال الدین سرخ پوش بخاری۔

سید محمد راجن شاہ بخاری کے فرزند کا نام سید زین العابدین بخاری تھا۔ سید زین العابدین بخاری کے فرزند سید حسن جہانیاں ہیں جو کہ پرانے بھکر کے محلہ ملکانوالہ میں دفن ہیں۔ سید حسن جہانیاں اپنے مریدین کی جماعت بنا کر اُچ شریف میں جا کر اپنے اجداد کی خانقاہوں کو واپس لیا اور آپ سید جلال الدین سرخ پوش کے مزار کے سجادہ نشین بنے۔ سید

حسن جہانیاں نے قاضی نور اللہ شوستری سے بھی کسبِ فیض حاصل کیا اور ان کی صحبت میں بھی رہے۔

حوالہ جات:

1۔اولیائے لیہ

2۔تاریخِ لیہ

3۔انوارِ تجلی در احوال محمد راجن سدا بھاگ

4۔تاریخ ملتان

5۔مدینۃ الاولیاء اُچ شریف

چھٹا باب

بلوچ اقوام

بلوچ اقوام کے متعلق ماہرین کی مندرجہ ذیل اراء ہیں۔

1۔عرب النسل

2۔ترکمن النسل

3۔ایرانی النسل

1۔عرب نسل:

بلوچ روایات کے مطابق ان کے آباءواجداد ملک شام کے شہر حلب سے تھے اور میر نصیر کے مطابق واقعہء کربلا کے بعد یہ لوگ ان علاقوں سے بے دخل کیے گئے تھے اور یہ لوگ سیستان اور کرمان میں ہجرت کر کے آباد ہو گئے۔

برطانوی مصنف ٹی ایچ ہولڈچ بھی بلوچ اقوام کے عرب ہونے کے نظریے کی حمایت کرتا ہے۔

ایک اور برطانوی مصنف کرنل ای موکلر اپنے ریسرچ پیپر آوریجن آف بلوچ

(1895ء) میں انہیں عرب نسل سے بتا تا تھا۔اس کے مطابق رند قبیلہ مکمل طور پر عرب النسل ہے۔

اس کے مطابق عرب کے ایلاف قبیلہ (Alafi Tribe) نے حجاج بن یوسف کے خلاف بغاوت کی تھی اور اس قبیلہ کو حجاج بن یوسف نے عرب سے نکال باہر کروایا تھا۔

چچ نامہ کے مصنف کے مطابق ایلافی قبائل کو راجہ داہر نے اپنے علاقے مکران کے ارد گرد جاگیریں دیں اور ان سے بہتر تعلقات بھی بنائے۔

بلوچ قبائل شروع سے ہی سخت جان اور مشکل حالات میں رہنے کے عادی تھے۔

2۔ترکمن النسل:

بوٹینگر اور حانیکوف کے مطابق بلوچ اقوام ترکمن قبائل سے ہیں جو کہ کیسپین سے کرمان، سیستان اور پھر بلوچستان میں آباد ہیں۔اپنی ریسرچ میں یہ مصنفین ان اقوام کا رہن سہن اور کلچر ان ترکمن قبائل سے جوڑتا ہے۔

3۔ایرانی نسل:

آر برٹن اپنی تحقیق میں بلوچ قبائل کو ایرانی نسل بتا تا ہے جو کہ صدیوں کے سیاسی، معاشی اور معاشرتی ارتقاء کی بنیاد پر ایرانی علاقوں سے کرمان، سیستان اور پھر برصغیر میں بلوچستان میں آباد ہوئے ہیں۔

ان تمام مصنفین نے بلوچ اقوام کو پیدائشی خانہ بدوش، بہادر اور سخت جان لکھا ہے۔یہ ایک ایسی قوم رہی ہے جو شروع سے ہی مختلف سلطنتوں کے زیرِ عتاب رہی ہے۔ان اقوام

نے معاشی خود مختاری اپنے اونٹ، بھیڑ اور بکریوں کے ریوڑوں سے حاصل کی اور ان کی قالین بافی کی مہارت نے انہیں پوری دنیا میں روشناس کرایا۔

ان اقوام کی خانہ بدوشی انہیں ایران کے بختیاری قبائل جیسا بناتی ہے جبکہ ان کا قبائلی نظم ونسق اور روایات انہیں ترکمن قبائل سے ملاتے ہیں۔

قبائل میں نام جیسا کہ چاکر، سنجر، گزان اور زنگی بھی ان کی ترک سے نسبت جوڑتے ہیں جبکہ تمن، بولک اور اولس بھی ترکمن اثرات دکھاتے ہیں۔

تاریخ دانوں نے بلوچ قبائل کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔

1۔مکرانی بلوچ 2۔سلیمانی بلوچ

1۔مکرانی بلوچ:

مکران دو الفاظ سے مل کر بنا ہے۔

1۔ماہ یعنی قصبہ 2۔کیران یعنی سمندر کا ساحل۔

ایک اور روایت میں ہے کہ مکران فارسی کے الفاظ ماہی خوران سے بنا ہے۔ ماہی کے معنی مچھلی اور خوران کے معنی ہیں کھانے والے۔یعنی مچھلی کھانے والا ے۔

مکران کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

1۔کیچ مکران 2۔ایرانی مکران

مکران کا علاقہ پہاڑوں پر مشتمل ہے جن میں یہ علاقے بہت مشہور ہیں۔

1۔گزدان 2۔کلانچ

3۔گوادر 4۔دشت

5۔کچک وادی 6۔گش کورندی

7۔درہ ٹانک جو کہ کچھی اور پنجگور کے راستوں میں آتا ہے۔

8۔ٹانک دریا جو کہ کچک اور راگائی ندی کے آس پاس بہتا ہے۔

بلوچی زبان میں ٹانک پہاڑوں کے بیچ ایسی وادی ہوتی ہے جہاں سے پہاڑی ندی نالے گزرتے ہیں۔مکران مشرقِ وسطیٰ اور برصغیر کے درمیان ایک مرکزی گیٹ وے ہے۔اس کا ذکر شاہنامہءِ فردوسی میں بھی تفصیل سے درج ہے۔

بلوچ اقوام کے دوسرے مراکز میں سراواں اور جھلاواں بھی شامل ہیں۔ بلوچ زبان میں سر کا مطلب اوپر یا شمال کے ہیں اور جھل کا مطلب نیچے یا جنوب ہے۔

جھلاواں کے علاقے میں کلاچی نام کا پہاڑی نالہ بھی موجود ہے۔اور آس پاس پہاڑی نالوں کو اس علاقے میں کندھی کہا جاتا ہے۔

مکران، سراواں اور جھلاواں کے علاوہ کچھی کا علاقہ بلوچ تاریخ کا مرکز رہا ہے۔ تاریخی طور پر یہ علاقہ سیوستان کہا جاتا تھا۔اس کے دو شہر سبی اور گنداوہ بہت مشہور ہیں۔ سبی اور گنداوہ سے بلوچ قبائل دریائے سندھ کے قریب ترین علاقوں میں ہجرت کر کے آئے۔

کراچی یونیورسٹی کے پروفیسر ڈاکٹر اختر بلوچ کے مطابق چودھویں صدی عیسوی میں شمال مغربی بلوچستان میں بہت زیادہ سردی آئی اور برف باری بھی ہوئی جس کی وجہ سے بلوچ قبائل نے پہاڑوں سے دریائی سرزمین سندھ کا رخ کیا۔ٹھٹھہ، حیدرآباد، بکھر، ڈیرہ جات اور ملتان میں بلوچ اقوام کی ہجرت شروع ہوئی۔

2۔سلیمانی بلوچ:

کوہِ سلیمان پر آباد بلوچ قبائل جو کہ بلوچستان اور پنجاب کے درمیان آباد ہیں، ان کو سلیمانی بلوچ کہا جاتا ہے۔

لانگ ورتھ ڈیمز کے مطابق بلوچ قبائل کے بزرگ کا نام میر جلال خان تھا اور ان کے مندرجہ ذیل چار بیٹے اور ایک بیٹی تھی۔

1۔رند 2۔لاشار 3۔ہوت 4۔کورائی جتو (بیٹی)

کچھ تاریخ دان میر جلال خان کے کچھ اور بیٹوں کا بھی تذکرہ کرتے ہیں۔

علی: اس کے دو بیٹے تھے۔

1۔عمر (عمرانی) 2۔گزان (گزان مری)

جب میر جلال خان فوت ہوئے تو رند کو ان کا وارث بنایا گیا لیکن رند کے تمام بھائیوں نے اس کی مخالفت کی اور ہر بھائی نے علیحدہ سے اپنی سرداری کا اعلان کر دیا۔

رند سے آگے مندرجہ ذیل قبائل بنے۔

1۔مری 2۔بگٹی 3۔مزاری 4۔دریشک 5۔لنڈ 6۔لغاری

7۔کھوسہ 8۔تنگانی 9۔بزدار

لاشار قبائل سے مندرجہ ذیل قبائل آگے آئے۔

--- جتکانی/ جسکانی Jiskani --- مگسی Magsi

کچھ بلوچ قبائل کے نام مکران اور بلوچستان کی وادیوں سے بھی منسوب ہیں۔

1۔کلاچی 2۔دشتی 3۔گش کور 4۔کچی

کلاچی:

کلاچی قبائل کا نام مکران کی وادی کلانچ سے آیا ہے اور اسی وادی کی نسبت سے انہیں کلاچی کہا جاتا ہے اور اس قبیلے کے لوگ بھکر میں حسین خان اور کنیری کے علاقوں میں آباد ہیں۔ حسین خان کلاچی وہی بلوچ سردار تھے جن کے نام پر ڈیرہ اسماعیل خان کے مغرب میں کلاچی بسایا گیا اور ان ھی کے نام پر بھکر میں مختلف دیہات کے نام ھیں۔

2۔ دشتی:

مکران کے علاقے ''دشت'' کی وجہ سے ان قبائل کو ''دشتی'' یا ''دستی'' قبائل کہا جاتا ہے۔ ڈیرہ غازی خان اور مظفرگڑھ کے علاقوں میں ان قبائل کو ''دستی'' قبائل کہتے ہیں۔

3۔ گش کور:

مکران میں ''گش کور'' نام کی ندی موجود ہے اور اسی نام سے ''گشکوری'' قبیلہ بھی ایک بلوچ قبیلہ ہے جس کے افراد ضلع لیہ اور ضلع بھکر میں آباد ہیں۔

4۔ گچکی:

گچکی قبائل بلوچستان میں آباد ہیں۔

حوالہ جات:

1. The Baloch Race by Long Worth Dames, 1904.
2. Shahnama-e-Firdousi
3. Makran District Gazetteer by Ralf Buller.
4. District Gazetteer of Sarawan, Kachhi and Jhalawan, by C.F Michin Major
5. Gazetteer of Dera Ghazi Khan
6. Gazetteer of Dera Ismaeel Khan
7. Gazetteer of Muzaffargarh District.

ساتواں باب

ریاست ملتان کے سرحدی علاقے

لنگاہ حکمرانوں کے دورِ حکومتِ ریاست ملتان کے سرحدی علاقے جو مغرب کی طرف سے خراسان سے ملتے تھے۔ انہی سرحدی علاقوں سے تجارتی قافلے بخارا، بلخ، غزنی اور کابل سے دریائے کرم کے ساتھ ساتھ سفر کرتے ہوئے آتے تھے اور کافر کوٹ کے قلعوں سے گزرتے ہوئے دریائے سندھ کے پاس سے ملتان کی طرف جاتے تھے۔ سردیوں میں جب دریا میں پانی کم ہوتا تھا تو یہ قافلے دریا عبور کر کے تھل سے بھی ملتان کی طرف سفر کرتے تھے۔

انہی سرحدی علاقوں پر کوہِ سلیمان کے قبائلی ڈاکو حملے کرتے تھے اور قافلوں سے مال و اسباب لوٹ لیا کرتے تھے۔ سلطان حسین لنگاہ نے اسی وجہ سے بلوچ قبائل کو ان سرحدی علاقوں میں اپنا گورنر بنایا۔

ڈیرہ جات کے ان علاقوں میں بلوچ آبادکاری کا ذکر سب سے پہلے تاریخِ فرشتہ کے مصنف نے کیا ہے۔ اس کے مطابق مکران سے ملک سہراب خان ہوت بلوچ اپنے دو بیٹوں اسماعیل خان اور فتح خان کے ساتھ ملتان آئے۔ لنگاہ حکمرانوں نے سہراب خان ہوت کو کوٹ کروڑ سے لے کر دھن کوٹ (کالاباغ) تک کا علاقہ دیا۔

سہراب خان ہوت کے بعد حاجی خان میرانی اپنے بیٹے غازی خان اور قبائل کے ہمراہ ملتان آئے۔ یہ قبائل کیچ مکران سے ملتان پہنچے۔

لنگاہ حکمرانوں نے ان قبائل کو موجودہ ڈیرہ غازیخان، لیہ اور تھل کے علاقے دیے اور انہی کا ذکر تاریخِ فرشتہ میں بھی درج ہے۔

میر سہراب خان ہوت:

میر سہراب خان ہوت 1460ء میں پتن کہیری اور ببر گھاٹ پر آیا اور ببر گھاٹ کے آس پاس اپنے قبائل کو آباد کیا۔ اس گھاٹ کا نام اپنے بیٹے بابر کے نام پر ببر گھاٹ رکھا۔ سہراب خان کے آتے ہی مکران بلوچستان سے اور بلوچ قبائل بھی اس علاقے میں آئے جن میں مندرجہ ذیل مشہور ہیں۔

1۔ہوت	2۔کلاچی	3۔پتافی	4۔لغاری
5۔لاشاری	6۔شہانی	7۔گشکوری	8۔ممدانی
9۔مگسی	10۔کیچانی	11۔مندرانی	12۔کندانی
13۔ سرگانی	14۔بجارانی	15۔چانڈیہ	

جام اسماعیل خان:

میر سہراب خان ہوت کے دو بیٹے تھے۔

1۔بابر　　　　2۔سلطان احمد

میر سہراب خود بابر کو یہاں کی جاگیر دے کر ملتان چلا گیا تھا اور اپنی باقی ماندہ زندگی ملتان میں ہی گزاری۔ سلطان احمد خان کے بیٹے جام اسماعیل خان نے ببر گھاٹ سے کچھ فاصلے پر ڈیرہ اسماعیل خان کے نام سے الگ ڈیرہ بنایا اور ایک نئے شہر کی بنیاد پڑی۔ یوں

ڈیرہ اسماعیل خان نام کا شہر آباد ہوا۔

حاجی خان میرانی:

ملک سہراب خان ہوت کے بعد حاجی خان میرانی اپنے بیٹے غازی خان اور اہلِ قبیلہ کے ہمراہ کیچ مکران سے ملتان آئے۔ حاکمِ ملتان نے غازی خان اور حاجی خان کو ڈیرہ غازی خان، لیہ اور تھل کے علاقے دیے۔ حاجی خان میرانی نے اپنے بیٹے غازی خان میرانی کے نام پر ڈیرہ غازی خان کا شہر آباد کیا۔

تاریخِ فرشتہ میں دونوں قبائل ہوت اور میرانی کا ذکر موجود ہے۔

فتح خان کلاچی:

ڈیرہ اسماعیل خان اور غازی خان کے درمیان کا علاقہ ڈیرہ فتح خان آباد ہوا جس کو فتح خان کلاچی بلوچ نے آباد کیا۔ کیچ مکران سے آئے کلاچی بلوچ بڑی تعداد میں اس علاقے میں آباد ہوئے۔

انہی کلاچی قبائل میں سے ایک سردار حسین خان کلاچی نے ڈیرہ اسماعیل خان کے مغرب میں کلاچی نام کے شہر کی بنیاد رکھی جو اب ایک تحصیل ہیڈ کوارٹر ہے۔ ان قبائل کی اکثریت نے اس وقت کی ملتان ریاست کی سرحد کو محفوظ بنایا اور دریائے سندھ کے آر پار قافلے بغیر کسی خوف کے سفر کرنے لگے۔

کوٹلہ جام:

جام اسماعیل خان اول نے ڈیرہ اسماعیل خان کے مشرق میں دریائے سندھ کے پار ایک قلعہ بنایا تاکہ دریا کے اس طرف بھی آبادکاری کی جا سکے اور اس قلعے کو کوٹلہ جام کا نام دیا۔

کوٹلہ جام میں مختلف بلوچ اقوام کو آباد کیا گیا جن میں ہوت اور کپچانی قبیلہ کی اکثریت ہے اور وقت کے ساتھ ساتھ باقی بلوچ اور جاٹ قبائل بھی اس علاقے میں آباد ہونا شروع ہو گئے۔ جام کا نام اپنے اندر سندھی کلچر کی پوری تاریخ لیے ہوئے ہے۔

نوتک:

جام اسماعیل خان کے بیٹے اسماعیل خان دوم کا نام نوتک خان تھا۔نوتک خان نے ببر گھاٹ دریائے سندھ کے مشرق میں نوتک نام کا قصبہ آباد کیا اور تھل کے شروع میں ایک مرکز کی بنیاد رکھی۔ نوتک قصبہ لال ماہڑہ کے بالکل سیدھ میں آباد ہوا۔ کسی زمانے میں دریائے سندھ کا پھیلاؤ نوتک کے قریب سے لے کر ببر گھاٹ تک تھا اور کشتی کے ذریعے لوگ نوتک سے ڈیرہ فتح خان اور دوسرے علاقوں میں جایا کرتے تھے۔نوتک سے مشرق کی طرف تھل کے علاقے میں سفر کے لیے کوس مینار اور سرائیں بھی تعمیر ہوئیں۔

نوتک سے دو کلومیٹر دور مشرق میں ایک کوس مینار کے آثار اب بھی موجود ہیں جو کہ قصائن کھوہ کے قریب ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ نوتک سے منکیرہ اور شورکوٹ کی طرف آتے جاتے قافلے انہی راستوں سے گزر کر آتے جاتے تھے۔

نواب اسماعیل خان دوم المعروف نوتک خان نے اپنا مقبرہ بھی اپنے بزرگوں کے مقابر کی طرح بنوایا اور بعض مورخین کے مطابق آپ نوتک میں دفن ہیں۔

اگرچہ موجودہ آثار میں قبر کے کوئی آثار نہیں ہیں اور مقبرہ کا ڈیزائن لال ماہڑہ کے مقابر سے ملتا جلتا ہے۔نوتک اور آس پاس مندرجہ ذیل بلوچ قبائل بسائے گئے۔

1۔کندانی قبائل 2۔کپچانی 3۔بجرانی 4۔ممدانی 5۔سرگانی
6۔رند 7۔چانڈیہ 8۔لاشاری

خان پور:

تھل میں بلوچ آبادکاروں نے خان پور نام کا قصبہ آباد کیا اوراس میں مختلف بلوچ اقوام رند، لاشاری، ممدانی، کپچانی اور دوسرے اقوام آباد ہوئے۔ اس آبادکاری سے دو خان پور بنے۔ ایک کو خان پور شمالی اور دوسرے کو خان پور جنوبی کہا جاتا ہے۔ خان پور کا نام بھی سندھ کے پرانے خان پور کے نام پر رکھا گیا۔ ایک نام جو رکھنے والے کی جنوب سے نسبت کو ظاہر کرتا ہے۔

لال ماہڑہ:

ڈیرہ اسماعیل خان سے 25 میل کے فاصلے پر لال ماہڑہ نام کا قصبہ اور قبرستان ہے جسے سب سے پہلے پروفیسر احمد حسن دانی نے دریافت کیا تھا۔ اس قبرستان کا نام اس میں دفن ہونے والے ایک بزرگ سید لال بادشاہ کے نام کی وجہ سے ہے۔

احمد حسن دانی اور کچھ تاریخ دان اس قبرستان کے مقابر کو ان خلجی کمانڈروں کا کہتے ہیں جو کہ منگولوں کے ساتھ جنگ میں یہاں مارے گئے اور انہیں یہاں دفن کیا گیا۔ لیکن ان کا طرزِ تعمیر اور ٹائل ورک انہیں اُچ شریف کے مقابر اور نوتک کے مقبرہ سے مشابہت دیتا ہے۔ تاریخِ لیہ کے مصنف کے مطابق یہ ان بلوچ سرداروں کے مقابر ہیں جنہوں نے اس علاقے میں پہلے پہل آبادکاری کی۔ پھر انہی بلوچ سرداروں نے ساداتِ اُچ سے روحانی نسبت کی بنا پر اپنے مقابر کا ڈیزائن بھی وہی بنوایا اور یہاں دفن ہوئے ہیں۔

لال ماہڑہ کے مقابر اور مندرجہ ذیل مقبروں میں بہت زیادہ مماثلت ہے۔

1۔ مقبرہ بی بی جیوندی اُچ شریف　　2۔ مقبرہ استاد نوریا اُچ شریف

ان کے متعلق مشہور ہے کہ یہ مقبرہ بی بی جیوندی کے آرکیٹیکٹ ہیں۔

3۔مقبرہ غازی خان (ڈیرہ غازی خان) 4۔مقبرہ علی اکبر ملتان

5۔مقبرہ سید محمد راجن شاہ، لیہ 6۔مقبرہ سخی سرور

7۔مقبرہ طاہر خان ناہر، سیت پور

لال ماہڑہ کے مقابر میں چاروں کونوں پر برج کی طرح کے مینار ہیں اور نیلے، سفید اور فروزی رنگوں کی ٹائلز کا استعمال ہوا ہے۔

بخارا اور ایران سے چلا یہ فنِ تعمیر اب بھی ہمیں وسطِ ایشیا کی یاد دلاتا ہے۔

حوالہ جات:

1. Gazetteer of D.I.Khan, 1883-84.
2. The Baloch Race, A historical and ethnological skeech by Lingeorth Dames, 1904.

3۔تاریخِ فرشتہ

4۔تاریخِ سرزمینِ گومل

5. Of brick and myth by Holly Edwards.
6. Pakistan; its Saraiki style of architecture, East & West by Khurshid Hasan.
7. Ahmad Hasan Dani, Excavations in Gomal Valley.
8. Gazetteer of Dera Ghazi Khan, 1893-97.

9۔تاریخِ لیہ

10۔تاریخِ ریاستِ منکیرہ

آٹھواں باب

بھکر نام کے متعلق تین روایات ملتی ہیں۔

1۔بکھر سندھ سے سومرہ خاندان کے کچھ لوگ سندھ میں اپنے اقتدار کے خاتمے کے بعد موجودہ بھکر میں آ بسے اور انہوں نے اسے بھکر کا نام دیا۔

2۔اُچ شریف سے جب سادات نے بلوٹ شریف اور عیسیٰ خیل کے لیے براستہ دریائے سندھ سفر کیا تو انہی سادات میں سے کچھ باکھری سادات اس بھکر میں آباد ہوئے اور انہوں نے اپنے بزرگوں کے وطن ''بکھر'' کے نام پر اس جگہ کا نام ''بکھر'' رکھا جو بکھر سے ''بھکر'' کہلایا جانے لگا۔اسی بھکر کے قدیم محلہ ملکانوالہ میں مخدوم سید محمد راجن شاہ بخاری کے پوتے سید حسن جہانیاں بخاری دفن ہیں۔بھکر کے علاقے میں سادات گھرانوں کی پذیرائی تمام بلوچ قبائل نے کی اور انہیں اپنے روحانی پیشوا کا درجہ دیا۔اس علاقے کی زرخیز زمینیں بھی سادات گھرانوں کو عقیدت کے لیے انہی قبائل نے دیں اور سکھر بکھر سے لے کر اچ شریف اور پھر بھکر تک کی تاریخ میں یہی قبائل ایک دوسرے کے شانہ بشانہ رہے ہیں۔

3۔میر چاکر اعظم کی اولاد میں سے ایک سردار میر بلوچ خان تھے جنہوں نے مغل

بادشاہ شاہ جہان کے دورِ حکومت میں علاقہ بھکر و منکیرہ پر حکومت کی تھی۔ میر بلوچ خان کے ایک فرزند کا نام ''بھکر خان'' تھا جن کے نام پر بلوچ خان نے بھکر شہر آباد کیا تھا۔ اور رفتہ رفتہ یہ شہر منکیرہ اور دریا خان سے بھی بڑا شہر بن گیا اور دریائے سندھ کے ساتھ موجود زرخیز زمینوں کی وجہ سے یہ اس علاقے کا مشہور تجارتی مرکز بن گیا۔

جسکانی خاندان:

ملتان میں جب لنگاہ حکومت کمزور ہوئی تو ہر علاقے کے گورنر نے اپنی عملداری کا اعلان کرنا شروع کر دیا۔

اس وقت غازی خان دوم نے جن کا نام جہان خان تھا، نے تمام تھل پر اپنا قبضہ کر لیا اور بھکر و تھل کا علاقہ امیر رند بلوچ کو دے دیا۔ امیر رند بلوچ میر چاکر اعظم رند کی تیسری پشت میں سے تھا۔

امیر رند بلوچ کی وفات کے بعد غازی خان نے علاقہ بھکر و تھل کو امیر رند بلوچ کے خاندان کی بجائے کسی اور سردار کو دے دیا۔ امیر رند بلوچ کے بھائی داؤد خان نے بغاوت کر دی۔ داؤد خان نے بہل اور کروڑ کے آس پاس کے بلوچ قبائل کو ملا کر واڑہ گشکوری کے جنگل کو اپنا مستقر بنایا اور گوریلا جنگ کے ذریعے ڈیرہ غازیخان اور ڈیرہ اسماعیل خان کے دونوں صوبہ داروں کو تنگ کیا۔

دونوں صوبہ داروں نے مغل بادشاہ اکبر کے پاس وفد بھیجے اور مغل افواج کی مدد سے داؤد خان کو شکست دی گئی۔

داؤد خان اور مغلیہ فوج کے درمیان مڑھانوالی میں جنگ ہوئی اور داؤد خان کے مارے جانے کے بعد انہیں وصیت کے مطابق مقبرہ راجن شاہ سے متصل قبرستان میں دفن

کیا گیا تھا۔

بلوچ خان امیر رند کا بیٹا تھا اور تاریخ دانوں کے مطابق اس نے مغل بادشاہ شاہ جہاں کے دورِ حکومت میں 1634ء میں قندھار کی فتح میں کردار ادا کیا تھا۔ اس کے بعد 1649ء، 1652ء اور 1653ء کے مغل حملوں میں جو قندھار پر کیے گئے تھے، میں بھی بلوچ خان اپنے قبائل کے ساتھ شامل ہوا تھا۔

بلوچ خان کی نسل ان بیٹوں سے چلی جن کے نام سے قبائل اب بھی موجود ہیں۔ بلوچ خان کی سب سے بڑی اولاد میں بیٹی تھی جس کا نام ملائم بی بی تھا۔

بلوچ خان کے بیٹوں کے نام مندرجہ ذیل ہیں۔

1۔جسکت خان/جسک خان۔	جسکانی نسل کا بانی
2۔لشکر خان۔	لشکرانی خان۔
3۔مدہ خان/نورا خان۔	مندرانی اور نورانی بلوچ
4۔کندن خان ۔	کندانی بلوچ
5۔کوچچ خان۔	کچانی بلوچ
6۔محمد خان۔	ممدانی بلوچ
7۔شہانہ خان۔	شہانی بلوچ
8۔مور خان۔	مورانی بلوچ

تاریخ ڈیرہ اسماعیل خان کے مصنفین نے سرگانی قبیلہ کو بھی بلوچ خان کی اولاد لکھا ہے جبکہ بعض تاریخ دان سرگانی قبائل کو دریشک قبیلے کا حصہ مانتے ہیں جو کہ راجن پور میں بھی آباد ہیں۔

بلوچ خان کی وفات کے بعد ان کے بیٹوں میں دستار پر تکرار ہوئی اور پھر قبائل کے

بڑوں نے ملائم بی بی کے شوہر عبداللہ خان میرانی کو سردار چنا۔ اسی عبداللہ خان میرانی نے بھکر کے شمال مشرق میں ایک قلعہ بنوایا جو کہ اب دلیوالہ کے نام سے مشہور ہے۔ عبداللہ خان میرانی نے یہ قلعہ 1670ء میں بنوایا اور اس کا نام کوٹ عبداللہ خان رکھا تھا۔ بعد میں وقت کے ساتھ ساتھ یہ کوٹ عبداللہ خان سے دلے والا میں تبدیل ہو گیا۔

عبداللہ خان میرانی کی وفات کے بعد جسک خان (جسکت خان جسکانی) سردار چنے گئے۔ جسک خان اور ان کی اولاد نے یکے بعد دیگرے اس ترتیب میں بھکر اور تھل پر حکومت کی۔

1۔جسکت خان جسکانی	1700ءتا1713ء
2۔سلطان خان جسکانی	1713ءتا1724ء
3۔نواب لدھو خان	1724ءتا1730ء
4۔نواب محمود خان	1730ءتا1739ء
5۔نواب احمد خان	1739ءتا1747ء
6۔نواب شہباز خان	1747ءتا1757ء
7۔نواب بلوچ خان ثانی	1757ءتا1768ء

بلوچ خان ثانی کے بعد ان کے بھتیجے فتح خان جسکانی کو سردار بنایا گیا۔ فتح خان جسکانی نے بھکر اپنے بیٹے نصرت خان کے حوالے کیا اور خود منکیرہ میں رہنے لگا۔

فتح خان جسکانی کی وفات کے بعد اس کے دونوں بیٹے بہت چھوٹے تھے۔ اس لیے فتح خان جسکانی کے وزیر حسن خان لسکانی نے زمامِ اقتدار خود سنبھال لی۔ حسن خان لسکانی بلوچ خان کے لڑکے لشکر خان کی اولاد میں سے تھا۔

لشکر خان کی اولاد لشکرانی/لسکرانی کہلاتی تھی۔ ضلع لیہ میں اب بھی لسکانی والا علاقہ اسی

قوم کے نام سے منسوب ہے۔

محمد حیات خان جسکانی جب کچھ بڑا ہوا تو اس نے حسن خان لسکانی کی حکومت ختم کرنے کے لیے تگ ودو شروع کردی اور ایک دن حیات خان جسکانی کروڑ لعل عیسن جانے کا بہانہ کر کے قلعہ منکیرہ پہنچ گئے اور قلعہ منکیرہ پر قبضہ کر لیا۔

حسن خان لسکرانی کو جب بھکر میں اطلاع ملی تو وہ بھی اپنی فوج لے کر فی الفور تیار ہوئے۔

دونوں فوجوں کی لڑائی نوتک کے جنوب میں ہوئی جس میں حسن خان لسکرانی کو شکست ہوئی اور حسن خان لسکرانی کو بھکر قلعہ میں قید کر دیا گیا۔ روایات میں ہے کہ حسن خان لسکرانی کو بھکر میں قید کے دوران زہر دے کر مار دیا گیا تھا۔

حیات خان جسکانی:

حیات خان جسکانی نے بھکر فتح کرتے ہی اپنا وزیر گشکوری قبیلے کے علی خان گشکوری کو نامزد کیا۔ علی خان گشکوری نہایت زیرک اور بصیرت مند انسان تھا۔ حیات خان جسکانی کے دورِ اقتدار میں ہی ایک بخاری سید گل امام نے اپنے علاقے پر ایک حکومت بنائی۔ سید گل امام نے دریائے چناب اور تھل کے درمیان نہریں بھی بنوائیں اور اپنے مریدین کا لشکر بھی بنایا۔

سید گل محمد بخاری نے اُچ گل امام کے قصبے کے گرد اپنی مریدین کی جماعتوں کو بسایا۔ ڈسٹرکٹ گزیٹیئر جھنگ میں ہے کہ سید گل محمد کا تعلق سید جلال الدین سرخ پوش بخاری کے خانوادے سے تھا اور آپ جھنگ اور بلوٹ شریف کے درمیان تھل کے علاقے میں بہت اثر ورسوخ کے مالک تھے۔

آپ ہی کی سرپرستی میں اُچ گل امام کے آس پاس تین قلعے بنائے گئے جن کے نام درج ذیل ہیں۔

--- چاندنہ

--- ہزارہ

--- سونی

آپ نے دریائے چناب سے تھل کے علاقے میں نہریں بھی بنوائیں۔

اس نئی ریاست کی اطلاع جب والیءِ کابل تیمور شاہ کو ملی تو اس نے حیات خان جسکانی کے نام ایک پیغام بھیجا کہ وہ فوراً گل امام پر لشکر کشی کرے اور سید گل محمد کو قید کر کے کابل بھجوائے۔

حیات خان جسکانی نے والیءِ کابل کے کہنے پر گل امام پر لشکر کشی کی۔ حیات خان جسکانی کی فوج کی اکثریت بلوچ قبائل پر مشتمل تھی جنہوں نے گل امام کے سادات سے جنگ کرنے کو گناہ کہا اور حیات خان جسکانی کو چھوڑ کر ساداتِ گل امام سے جا ملے۔

حیات خان جسکانی نے منکیرہ واپس آ کر دوبارہ لشکر کشی کی تیاریاں شروع کر دیں کیونکہ اس پر شہنشاہِ کابل کا دباؤ تھا۔

قلعہ منکیرہ میں ہی ایک بلوچ سردار گولہ خان سرگانی نے اسے ساتھیوں کی مدد سے قتل کر دیا اور سرگانیوں نے قلعہ منکیرہ پر قبضہ کر لیا۔

محمد خان جسکانی:

حیات خان جسکانی کے قتل کے بعد بھکر میں ان کے بھائی محمد خان جسکانی کی دستار بندی کروائی گئی۔ محمد خان جسکانی نے ایک لشکر کے ساتھ دیوان لدھا رام کو منکیرہ پر حملے کے

لیے بھیجا کیونکہ سرگانیوں کے پاس فوج کی کمی تھی، اس لیے وہ منکیرہ سے بھاگ کر نوان کوٹ کے قلعے پر قابض ہو گئے اور وہاں سے قلعہ منڈا میں جا بسے۔ دیوان لدھا رام نے قلعہ منڈا پر حملہ کیا اور یہاں سرگانی اقوام نے قلعہ سے باہر نکل کر جسکانی افواج کا مقابلہ کیا۔ گولہ خان سرگانی اس لڑائی میں مارا گیا۔

سرگانی اقوام کو شکست ہوئی اور اس کے بعد محمد خان جسکانی نے انہیں منڈا اور شیر گڑھ کے علاقے بطور جاگیر دیے تا کہ وہ بھکر اور منکیرہ میں کوئی بغاوت نہ کر سکیں۔

حوالہ جات:

1. Gazetteer of Dera Ismaeel Khan
2. Gazetteer of Mianwali District
3. Gazetteer Jhang District

4۔تاریخِ لیہ

5۔تاریخِ منکیرہ

6. Gazetteer of Dera Ghazi Khan

7۔تاریخِ معصومی (سید محمد معصوم باکھری)

8۔تحفۃ الکرم از سید میر علی قانع ٹھٹھوی

نواں باب

کلہوڑا خاندان

سندھ کے کلہوڑا خاندان کے آخری حکمران میاں عبدالنبی کو تالپوروں نے 1782ء کی جنگِ ہالانی میں شکست دے کر سندھ کے تخت و تاج سے محروم کر دیا۔ میاں عبدالنبی نے خاں قلات اور کابل کی امداد سے سندھ پر قبضہ کرنے کی بڑی کوششیں کیں لیکن تالپورون نے انہیں ہر جگہ شکست فاش دی۔

1787ء میں نصرت خان سرگانی نے میاں عبدالنبی سرائی کو لیہ، منکیرہ اور بھکر پر حملے کی دعوت دی کیونکہ سرگانی قبائل جسکانیوں سے شکست کا بدلہ چکانا چاہتا تھا کیونکہ جسکانیوں نے گولہ خان سرگانی کو مارا تھا۔

کچھ تاریخ دانوں کے مطابق 1767ء میں ہی ڈیرہ جات کے علاقے احمد شاہ درانی نے حاکم سندھ غلام شاہ کلہوڑا کو دے دیے تھے اور میاں غلام شاہ کلہوڑا نے ڈیرہ اسماعیل خان، ڈیرہ غازی خان، لیہ اور بھکر و منکیرہ کو ریاست سندھ میں شامل کر رکھا تھا۔ اور میاں غلام شاہ کلہوڑا نے ہی محمود خان گجر کو ڈیرہ غازی خان میں اپنا وزیر مقرر کیا تھا۔

اسی محمود خان گجر نے نادر شاہ ایرانی کے حملے کے وقت تک اس علاقے میں اپنا اثر و رسوخ قائم کر رکھا تھا۔ اسی محمود خان گجر نے دریائے سندھ کے مشرقی کنارے پر اپنے نام کا

شہر بسایا اور اسے ''محمود کوٹ'' کا نام دیا۔

میاں عبدالنبی کلہوڑا کو عبدالنبی سرائی بھی کہا جاتا ہے۔ ان کا لیہ و بھکر میں اقتدار 1787ء سے لے کر 1793ء تک کا ہے۔ سندھ میں شمال کے علاقے جہاں سرائیکی بولی جاتی ہے، انہیں سرا کہتے ہیں اور یہاں کے رہنے والے سرائی مشہور ہوئے ہیں کیونکہ ڈیرہ جات کی حکومت کے دوران عبدالنبی سرائی یہاں رہے۔ اس لیے انہیں عبدالنبی کلہوڑا کی بجائے عبدالنبی سرائی لکھا جاتا رہا ہے۔ 1793ء میں والیء کابل تیمور شاہ فوت ہو گیا اور اس کا بیٹا زمان شاہ تخت نشین ہوا۔ زمان شاہ نے عبدالنبی کلہوڑا کو ڈیرہ جات کی گورنری سے معزول کر کے محمد خان سدوزئی کو لیہ و بھکر کی سند عطا کی۔

لیہ میں ہوئی جنگ میں میاں عبدالنبی کلہوڑا کے فرزند میاں عارف کلہوڑا افغان سپاہیوں کے ہاتھوں مارے گئے۔ ان کا مزار لیہ شہر میں موجود ہے جو کلہوڑا دور کے فنِ تعمیر کو ظاہر کرتا ہے۔ میاں عبدالنبی کلہوڑا نے اپنی زندگی کے آخری ایام راجن پور کے علاقے حاجی پور میں گزارے اور آپ وہیں اپنی جاگیر میں دفن ہوئے ہیں۔

حوالہ جات:

1۔ تاریخِ سندھ عہدِ کلہوڑا

2۔ تحفۃ الکرم

3۔ تاریخِ ملتان از مولانا نور احمد فریدی

4. Gazetteer of Dera Ghazi Khan District
5. Gazetteer of Muzaffargarh District
6. Gazetteer of Dera Ismaeel Khan District
7. Gazetteer of Mianwali District

8۔ تاریخِ لیہ　　9۔ تاریخِ ریاست منکیرہ

دسواں باب

سدوزئی حکومت

1793ء میں تیمور شاہ کی وفات کے بعد ان کا بیٹا زمان شاہ قندھار پر بادشاہ بنا اور 1796ء میں زمان شاہ نے ایک شاہی سند کے ذریعے محمد خان سدوزئی کو سندھ ساگر دوآب کلور کوٹ سے لے کر محمود کوٹ اور چناب سے لے کر سندھ دریا تک کا گورنر بنا دیا۔

زمان شاہ کے بھائی ہمایوں نے بھائی کے خلاف بغاوت کی اور جنگ میں ہمایوں کو شکست ہوئی اور وہ درہ گومل کے راستے ڈیرہ اسماعیل خان آیا۔ نتکانی قبیلہ کے ایک سردار مسو خان نتکانی نے اسے ڈیرہ فتح خان کے راستے سے دریائے سندھ پار کروایا اور لیہ کے پاس بھجوا دیا۔ لیہ سے پندرہ میل مشرق میں فتح پور کے قریب ہمایون کو نواب محمد خان سدوزئی نے گرفتار کر لیا۔ نواب محمد خان سدوزئی ہمایوں کو گرفتار کر کے لیہ آیا اور زمان شاہ کو اطلاع دی۔

زمان شاہ نے فرمان جاری کیا کہ ہمایوں کی آنکھیں نکال دی جائیں اور اس کے ساتھیوں کو قتل کر دیا جائے۔

محمد خان سدوزئی نے ہمایوں کی آنکھیں نکال کر اسے منکیرہ کے قلعے میں قید کر دیا۔

اسی قلعے میں قید میں ہی ہمایوں کا انتقال ہوا اور یوں تاجِ کابل کا ایک دعوے دار

سرزمین تھل میں دفن ہوا۔

والیٔ کابل نے نواب محمد خان سدوزئی کو نواب سربلند خان کا لقب دیا اور دریائے سندھ کے مغربی علاقہ کو ڈیرہ اسماعیل خان سمیت ان کی عمل داری میں دے دیا۔ یوں خیسور پہاڑ سے سانگھڑ (تونسہ) تک کا علاقہ آپ کے پاس آ گیا۔

نواب محمد خان سدوزئی نے دیوان مانک رائے کو ڈیرہ اسماعیل خان اور دامان کا گورنر بنایا اور بھکر اور لیہ کا انتظام خود سنبھالا اور منکیرہ کو اپنا صدر مقام بنایا۔ دامان میں گنڈہ پوروں اور میاں خیل قبائل نے سدوزئی کی اطاعت سے انکار کر دیا اور مالیہ دینے سے انکار کر دیا۔

نواب آف ٹانک سرور خان کٹی خیل بھی ان باغیوں میں شامل ہو گئے۔

1813ء میں نواب محمد خان سدوزئی نے دیوان مانک رائے کی قیادت میں لشکر بھیجا اور مانک رائے نے میاں خیل علاقے پر بھی قبضہ کر لیا اور گنڈہ پوروں کو بھی مڈی کے مقام پر شکست دی۔ اور کلاچی شہر کو آگ لگوا دی گئی۔ مانک رائے نے عیسیٰ خیل اور کالا باغ تک کے علاقوں کو اپنے تصرف میں لے لیا اور یوں منکیرہ ڈیرہ جات کا مرکزی صدر مقام بن گیا۔ 1815ء میں نواب محمد خان (سربلند خان) کا انتقال ہوا اور انہیں قلعہ منکیرہ میں دفن کیا گیا۔

نواب حافظ احمد خان سدوزئی:

نواب محمد خان سدوزئی کی وفات کے بعد ان کا داماد نواب احمد خان سدوزئی منکیرہ کا نیا والی بنا۔

والی بننے کے بعد ان سے سکھوں نے خراج کا مطالبہ کیا اور انکار پر سکھوں کی فوج نے دیوان مانک رائے کی ملی بھگت سے ڈیرہ اسماعیل خان پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد سکھ افواج

نے بھکر، لیہ، خان گڑھ اور محمود کوٹ کے قلعوں پر بھی قبضہ کرلیا۔ 1818ء کی خون ریز جنگ کے بعد سکھوں نے ملتان پر بھی قبضہ کرلیا۔

نواب احمد خان سدوزئی نے اس موقع پر نواب مظفر خان سدوزئی کی کوئی امداد نہ کی اور 1821ء میں سکھ افواج نے منکیرہ قلعے کا محاصرہ کرلیا۔

نواب احمد خان سدوزئی حاکمِ منکیرہ کے فوج میں شامل ایک کمانڈر سردار خان بادوزئی نے قلعہ سے باہر نکل کر دوبدو جنگ کا مشورہ دیا مگر نواب نے قلعے کے اندر محصور رہ کر ہی حفاظتی جنگ لڑنے کو ترجیح دی۔ سکھ فوج نے تھل کے بعض لوگوں کی امداد کے بل بوتے پر منکیرہ کے آس پاس موج گڑھ کے ریگ زار میں کنویں کھود کر پانی کا بندوبست کرلیا اور اونٹوں کے ذریعے یہ پانی سکھ فوج تک پہنچایا جانے لگا۔ سکھ فوج نے قلعے پر گولہ باری کی جس کی وجہ سے قلعہ کی جامع مسجد کے مینار گر گئے۔ کچھ ابن الوقتوں نے یہ پھیلا دیا کہ مسجد کے میناروں کا گرنا ایک بدشگونی ہے اور سکھ افواج کو کوئی بھی نہیں ہرا سکتا۔

آخر نواب احمد خان سدوزئی نے ڈیرہ اسماعیل خان کی جاگیر کے بدلے منکیرہ قلعہ کو سکھوں کے حوالے کردیا اور یوں یہ علاقے سکھوں کی عملداری میں آ گئے۔ سکھوں سے یہ علاقے انگریزوں نے اپنے قبضے میں لیے اور پھر ان کی سیٹلمنٹ (بندوبست) کیا گیا اور مختلف موضع جات بنائے گئے۔

قلعہ حیدر آباد پر سکھوں کا حملہ:

رنجیت سنگھ کے جرنیل ہری سنگھ نلوہ نے جب حیدر آباد تھل پر حملہ کیا تو ان دنوں یہ قلعہ نورنگ خان بلوچ کے پوتے اور خوشحال خان بلوچ کے بیٹے حیدر خان بلوچ کے پاس تھا جس نے اس کا نام حیدر آباد رکھا تھا۔

یہاں بلوچ اقوام نے سکھ لشکر کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور قریب تھا کہ سکھ لشکر شکست کھا کر پسپا ہو جاتا لیکن کچھ مقامی قبائل نے رنجیت سنگھ کی فوج کی امداد کی اور قلعہ کے خفیہ راستوں تک سکھ فوج کو رسائی دی۔ اسی وجہ سے حیدر خان بلوچ اس جنگ میں مزاحمت کرتا ہوا مارا گیا اور سکھوں نے تھل میں آخری مزاحمت بھی کچل کر کے علاقے پر قبضہ کر لیا۔ پورے پنجاب پر سکھ راج قائم ہو گیا۔ حیدر خان بلوچ سے پہلے اس قلعہ کو اموانی قلعہ کہا جاتا تھا۔ حیدر آباد تھل میں مگسی، ممڑ اور چھینہ قبائل آباد ہیں۔

حوالہ جات:

1۔ تاریخِ پنجاب از کنہیا لال

2۔ تاریخِ ملتان

3. Gazetteer of Dear Ismaeel Khan
4. Gazaetteer of Mianwali District

5۔ تاریخِ سرزمینِ گومل

6۔ تاریخِ ریاستِ منکیرہ

7۔ تاریخِ لیہ

8۔ تاریخِ جھنگ

9. Gazetteer of Jhang District

گیارہواں باب

انگریز اور ٹکر کی

بندوبست رپورٹ 1879ء

شروع میں انگریزوں نے بھکر کو ڈیرہ اسماعیل خان میں شامل کیا۔ 1879ء کی ٹکر کی بندوبستی رپورٹ میں دریائے سندھ کے ساتھ والے علاقوں کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا۔

1۔ٹرانس انڈس Trans Indus :

ان میں ڈیرہ اسماعیل خان، ٹانک اور کلاچی کے علاقوں کو شامل کیا گیا۔

2۔سس انڈس Cis Indus:

اس میں بھکر اور لیہ کو شامل کیا گیا۔ٹکر کی بندوبستی رپورٹ میں ہے کہ کسی زمانے میں تجارتی کشتیاں ڈیرہ اسماعیل خان سے سکھر کے درمیان چلتی تھیں جن سے اچھی خاصی علاقائی تجارت ہوتی تھی۔ ڈیرہ اسماعیل خان اور کلاچی کسی زمانے میں پاوندہ قبائل کی تجارت کا مرکز تھے۔ ان کے قافلے خراسان سے سامانِ تجارت ہندوستان لاتے تھے اور ہندوستان سے اشیاء خراسان کے شہروں میں جاتی تھیں۔ ڈیرہ اسماعیل خان اور دریا خان کے درمیان کشتیوں کا پل 1873ء میں بنایا گیا جس سے مقامی آبادی کو بہت آسانی ہوئی اور پاوندہ تجارتی قافلوں کی آمدورفت میں اضافہ ہو گیا۔تجارتی سامان سے لدے ہوئے اونٹ اسی کشتیوں کے پل سے دریا کے آر پار جاتے تھے۔ انگریزوں نے ڈیرہ اسماعیل

خان سے جھنگ کے لیے میل کارٹ بھی شروع کی جو براستہ کوٹلہ جام، بھکر، جہان خان، سرائے کرشنا، منکیرہ اور حیدر آباد سے جھنگ جایا کرتی تھی۔

ان وقتوں میں جو پتن دریا کے کنارے مشہور تھے، ان میں مور جھنگی، ڈیرہ فتح خان اور کانجن پتن شامل تھے۔

ڈیرہ اسماعیل خان سے جہلم کے لیے میل کارٹ براستہ کوٹلہ جام، دریا خان، تھلہ سریں، نواں جنڈانوالہ اور مٹھہ ٹوانہ سے ہوتے ہوئے جہلم تک چلتی تھی اور اس طرح ان خطوں کے بیچ ایک روابط کا جدید نظام قائم ہوا۔

قدرتی طور پر ضلع بھکر دو حصوں مُں تقسیم کیا جتا ہے۔

1۔ کچھی (کچہ علاقہ)

2۔ تھل

سرائیکی میں بغل کو "کچھ" کہتے ہیں اور اس علاقے کو دریائے سندھ کے قریب ترین ہونے کی وجہ سے "کچھی" کہا جاتا ہے۔

کچھ مصنفین کے خیال میں کچھی کا نام ان بلوچ قبائل نے اسے دیا جو بلوچستان کے علاقے "سبی" Sibi سے یہاں آئے تھے کیونکہ سبی اور آس پاس کے علاقے کچھی کہلاتے تھے۔

انگریزوں نے کچھی کے علاقے کی حد بندی کی اور اس کے جیولوجیکل سروے بھی کیے۔

بندوبستی رپورٹ کے مطابق کچھی کا علاقہ کلور کوٹ سے لے کر مظفر گڑھ کے ان علاقے تک ہے جو دریائے سندھ کے ساتھ ساتھ ہیں۔ تاریخِ میانوالی کے مصنف نے میانوالی کا پرانا نام بھی کچھی بتایا ہے جو کہ دریائے سندھ کے مشرقی کنارے پر آباد ہوا تھا۔ کچھی کے تمام علاقے میں فصلوں اور کاشت کاری کا انحصار دریائے سندھ سے نکلنے والے دریائی ندی

نالوں اور وہیروں پر تھا۔

ان کو مقامی زبان میں کندھی کہتے ہیں اور ان کے آثار آج بھی کچھی کے علاقوں میں پائے جاتے ہیں۔ ان کندھیوں کے کنارے کی زمین ہزاروں سالوں سے لائی دریائی اور پہاڑی زرخیز مٹی سے بنی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ لیہ کے پہلے ڈپٹی کمشنر نے 1849ء میں اس علاقے کو ہندوستان کا کیلی فورنیا کہا تھا۔ انگریز بستی رپورٹ میں اس وقت کی کندھیوں کی تفصیل ان ناموں سے ملتی ہے۔

پوزل:

دریائے سندھ سے نکلتی سب سے بڑی کندھی کا نام پوزل تھا جو سب کندھیوں سے حجم میں بڑی تھی اور اس کا پانی پورا سال بہتا تھا۔ پوزل اکثر تین یا چار شاخوں میں تقسیم ہو کر لیہ کی حدود میں دوبارہ دریائے سندھ میں شامل ہو جایا کرتی تھی۔ پوزل کے دوسرے علاقائی ناموں میں اسے لالہ اور بودو بھی کہا جاتا تھا۔

لیہ کے علاقے کوٹ سلطان میں اس لالہ نام کی کندھی پر بند باندھ کر نہریں بھی نکالی گئی تھیں جن سے کاشت کاری کی جاتی تھی۔ ان کندھیوں کے کنارے جھلاروں کے ذریعے پانی نکال کر کاشت کاری کی جاتی تھی۔

کچھی کا علاقہ بہت زرخیز اور سرسبز ہوا کرتا تھا۔ اس کے آدھے علاقے پر کاشت کاری اور آدھے پر جنگلی نباتات تھیں اور دریائی کندھیوں کے آس پاس لیاٹ کے جنگل تھے جنہیں لائی بھی کہتے ہیں اور اسی نام سے لیہ مشہور ہوا۔

کچھی میں کھجور کے درخت بہت زیادہ بہتات میں ان علاقوں میں ہیں۔

---	دریا خان	---	کوٹلہ جام
---	بھکر	---	نوتک

--- بہل --- محمد راجن

مقامی لوگ کچھی کی زمین کو تین حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔

--- مٹ --- کلری

--- ریت

1860ء تک بھکر تحصیل کو دریا خان کہتے تھے اور اس میں مندرجہ ذیل علاقے شامل تھے۔ کلور۔ دریا خان۔ کوٹلہ۔ چھینہ۔ چنگ (شیخانی)۔ نوتک۔ بہل۔ پیر اصحاب۔ جنڈاں والا۔ دلے والا۔ منکیرہ۔ حیدر آباد تھل

عارضی بندوبست رپورٹس مندرجہ ذیل افراد نے بنائی تھیں۔

--- کیپٹن ہالنگز 1850ء

--- مسٹر سمسن 1855ء

--- کیپٹن میکنزی 1862ء

فائنل بندوبستی رپورٹس کو مسٹر جارج اے ٹک George A Tucker جو کہ ضلع ڈیرہ اسماعیل خان کے سیٹلمنٹ آفیسر تھے، نے ترتیب دیا۔ بندوبستی رپورٹ میں بھکر کے جو موضع جات ترتیب دیے گئے، ان کے نام مندرجہ ذیل ہیں۔

میبل	کلول	چپساندھی
ٹنڈہ نشیب	بستی شاہ عالم	کانجن
بستی مائی روشن	ٹبہ مرتضیٰ شاہ	مہر امام
جھوک مہر شاہ	پنج گرائیں	تھلہ نون
حاجی حسین	انگرہ	لنڈی
سورانی	ساندھی	موارنی شمالی

دیانی	کہاوڑ کلاں	کوٹلہ جام
ممدانی	بہارہ لک	جھلار سکندر
دولت والا	چاندہ	کنیری
سکھا شاہ	ملاں والی	گڈولہ
گڈاں والی	کرم خان	ودھے والی
سیال	پنجپاڑی	نوانی
جھمٹ	شہانی	گھلکن
جھلن	گورچھہ	مورانی جنوبی
مونڈے والی	جھکڑ	رضائی شاہ شمالی
پیر اصحاب	جھوک حافظ	بستی حبیب
سلطان احمد شاہ	صادق علی شاہ	چھینہ
جام	رضائی شاہ جنوبی	نوتک
شیخانی	جھوک عطا محمد	خنانی
بھرگل	کچی کندانی	لنگر کوٹ
چورڑ	فتح بھمب	یوسف شاہ
چونی جنوبی	گنجی	بہل
بنڈہ باہو شاہ	بخارا	ڈھانڈلہ
بھرمی چراغ	ٹبہ مہربان شاہ	ٹبہ گامن شاہ
احمد شاہ والی	دریا خان	ڈگر یار شاہ
قریشی ڈگر	ڈگر شادہ	خانسر

خان پور	جنڈاں والا	جھنگی رام
فاضل	غلامان	خیسور
بٹی	ریتڑی	

بندوبستی رپورٹ کے مطابق ان موضع جات کی حد بندی کے بعد یہاں برطانوی حکومت کی جانب سے ٹیکس اور مالیہ کی وصولی کا نظام شروع ہوا۔

بھکر کے موضع جات کے نام ان علاقوں کی اقوام اور شخصیات کے نام پر رکھے گئے۔ جو آج تک ان علاقوں میں ان کی پہچان کراتے ہیں۔

حوالہ جات:

1. Settlement Report of D.I.Khan District by Mr. Tucker.
2. Gazetteer of Dera Ismaeel Khan
3. Gazetteer of Mianwali District

4۔ تاریخِ ریاستِ منکیرہ

بارھواں باب

باکھری سادات

’’بکھر‘‘ سندھ کے وہ سادات خانوادے جو پہلے بکھر سے اُچ شریف میں آباد ہوئے اور وہاں سے بھکر آئے، ان کو باکھری سادات کہا جاتا ہے۔

گو کہ یہ نقوی سادات سلسلہ کے ہیں لیکن بکھر کی نسبت سے انہیں باکھری سادات کا نام دیا گیا ہے۔

ضلع بھکر کے اکثر زرخیز علاقوں میں ان سادات کو بخاری سادات کے ساتھ جاگیریں دی گئیں۔

محکمہ مال کی کتابوں میں ان سادات کو بھاکری سادات لکھا جاتا ہے۔ ان باکھری سادات کو بھکر اور لیہ کی حدود کے اتصال کے مقام بیٹ بوگھا میں جاگیر عطا کی گئی۔ برٹش آفیسر جارج ٹکر کی بندوبستی رپورٹ کے مطابق بیٹ بوگھا میں موجود سادات کی زمینوں سے ٹیکس اور مالیہ کی وصولی بھی نہیں کی جاتی تھی۔

ان سادات میں سے ایک بزرگ کا نام سید نور عالم شاہ باکھری تھا جن کے نام پر بستی نور شاہ بسائی گئی۔ اور کچھ بزرگوں کے مطابق انہی سادات میں سے ایک سید کو بوگھا شاہ کہا جاتا تھا جن کے نام سے یہ علاقہ بیٹ بوگھا مشہور رہا۔

سیدنورعالم شاہ:

آپ بیٹ بوگھا کے سادات کے مورثِ اعلیٰ ہیں۔آپ تین بھائی تھے جوکہ بھکر کے مختلف علاقوں میں آباد ہوئے۔

--- سیدنورعالم شاہ

--- سیدرضاعلی شاہ المعروف رضائی شاہ

--- سیدسکھا شاہ

کچھ سادات بزرگ یہ بتاتے ہیں کہ سیدنور عالم، سیدرضا علی اور سیدسکھا شاہ آپس میں چچازاد بھائی تھےلیکن بلوٹ شریف اوراُچ میں موجودملفوضات میں یہ تین بھائی درج ہیں۔سیدنورعالم شاہ کے دوفرزند تھےجن کے نام مندرجہ ذیل ہیں۔

--- سیدقائم دین شاہ باکھری

--- سیدیوسف شاہ باکھری

سیدنورعالم شاہ کےفرزندسیدقائم دین شاہ کے نام پر بیٹ بوگھا کے مغرب میں ایک قصبہ آبادہوا جس کودین پورکہا جاتا ہے۔دین پورمیں بھی باکھری سادات آباد ہیں۔

سیدنورعالم شاہ کے دوسرے فرزندسیدیوسف شاہ کے نام پردوقصبے آبادہیں جن کے نام یوسف شاہ شرقی اوریوسف شاہ غربی ہیں اوران علاقوں میں سادات کی زمینیں ہیں۔

سیدنورعالم شاہ وفات کے بعدراجن شاہ مقبرہ کے شمال میں موجود باکھری قبرستان میں دفن ہوئے تھے۔ان کےفرزنداوراولادمیں سے باقی بھی افراد کی قبریں اسی قبرستان میں موجودہیں۔

سیدنورعالم کی والدہ بلوٹ کے بخاری خاندان سے تعلق رکھتی تھیں اورشاہ عیسیٰ بلوٹی کی پوتی تھیں۔

سید رضا علی المعروف رضائی شاہ:

سید رضا علی شاہ بھی بھکر کے سادات کے بزرگ تھے۔آپ سید نور عالم کے بھائی تھے۔ آپ رضائی شاہ کے نام سے مشہور ہوئے۔آپ کے والد کا نام سید حاجی شاہ تھا۔ سید رضا علی کے ننہال بلوٹ شریف کے بخاری سادات تھے۔آپ کی والدہ سید حلیم شاہ بخاری آف بلوٹ شریف کی صاحبزادی اور سید شاہ عیسیٰ بلوٹی کی پوتی تھیں۔ بخاری خاندان سے باکھری سادات کی نسل در نسل رشتہ داری بکھر سندھ سے شروع ہوئی اور آج بھی بھکر اور آس پاس کے علاقوں میں باکھری اور بخاری ایک دوسرے کے قریبی رشتہ دار ہیں۔ بلوٹ کے ایک بزرگ کے مطابق اچ شریف سے لے کر بھکر اور اچ گل امام سے بلوٹ شریف تک یہ دونوں خانوادے ایک دوسرے کے ساتھ رہے ہیں۔

سید رضا علی شاہ کی زمینیں کچہ کے زرخیز علاقوں میں بھی تھیں اور انہیں جہان خان کے آس پاس بھی زمینیں دی گئی تھیں۔ جہان خان کے علاوہ تھل میں خان پور، تگے والا، جیون شاہ والا، فضل شاہ والا میں بھی ان کی اولاد کی زمینیں ہیں۔

سید رضا علی شاہ نے نوتک سے دو کلومیٹر مغرب میں اپنے ڈیرے کی بنیاد رکھی جس کا نام رضائی شاہ انہی کے نام پر رکھا گیا۔

دریائے سندھ کی کندھی کے کنارے پر قصبہ آباد ہوا اور مشہور ہے کہ کسی زمانے میں مغرب سے آنے والی کشتیاں اور مشرق سے مغرب کی طرف جانے والی کشتیاں اسی رضائی شاہ سے گزر کر جاتی تھیں۔ رضائی شاہ کے مغرب میں کندانی بلوچ قبیلہ آباد ہے۔ جنوب مغرب میں خنانی اور نہرے والا ہے۔ نہرے والا میں بھی بلوچ قبائل آباد ہیں جن میں سے جمالی اور کیچانی زیادہ تعداد میں ہیں۔ یہاں پر طیب خان کیچانی کے ڈیرہ گرہ طیب خان سے گریلی بلوچ مشہور ہوئے اور عمر خان کیچانی کے نام سے عمریلی مشہور رہیں۔

رضائی شاہ کے جنوب میں بھرگل اور موضع چورڑ ہے۔ یہاں بھی بلوچ اقوام کے قبائل آباد ہیں۔

مشرق میں نوتک کا مشہور قصبہ ہے۔ مغرب میں جام، بستی پیراں اور بھلمانہ آباد ہیں۔

کچھ کے علاقے میں جب سیلاب آتے تھے تو سید رضا علی اپنے کچے کے علاقے سے بھکر کے قریب جا کر رہتے تھے۔ جہاں ان کی زمینیں کچھ اور تھل میں تھیں۔ ان کے رہنے کی نسبت سے وہ علاقہ رضائی شاہ شمالی کہلاتا ہے اور وہاں بھی ان کی اولاد کثیر تعداد میں آباد ہے۔

سید رضا علی المعروف رضائی شاہ کا شجرہ نسب یوں ہے۔

سید رضا علی شاہ المعروف رضائی شاہ بن سید حاجی شاہ بن سید عبدالغفور شاہ بن سید محمد شاہ بن سید نظام الدین شاہ بن سید محمد شاہ بن سید محمود شاہ بن سید حسن شاہ بن سید شیخ فرید بن سید کمال الدین بن سید ظہورالدین بن سید درویش محمد بن سید فخر الدین بن سید علاؤ الدین بن سید صدرالدین (خطیبِ سکھر) بن سید محمد مکی (پیرِ بکھر)۔

سید رضا علی شاہ اپنی وفات کے بعد بلوٹ شریف میں دفن ہوئے۔ ان کے ایک بھائی سید سکھا شاہ تھے۔ تحصیل دریا خان میں ان کے نام پر ایک موضع سکھا شاہ ہے جہاں حسن شاہ اور پنجگرائیں کے آس پاس ان کی اولاد رہتی ہے۔ سید سکھا شاہ بھی اپنی وفات کے بعد بلوٹ شریف میں دفن ہوئے تھے۔

تیرہواں باب

دریاخان

یہ بھی دریائے سندھ کے کنارے آباد ہوا شہر ہے۔ تاریخِ ریاستِ منکیرہ کے مصنف کے مطابق یہ شہر مغل بادشاہ بابر کے ایک جرنیل دریا خان نے آباد کیا تھا۔ جب ظہیر الدین بابر نے بھیرہ کے علاقے پر قبضہ کیا تو اس کے ایک جرنیل نے ٹوانوں کے علاقہ کو برباد کر دیا تھا۔ اور اسی جرنیل دریا خان نے دریائے سندھ کے مشرقی کنارے پر اپنے نام سے اس شہر کو بسایا تھا۔ لیکن غالب امکان یہ ہے کہ اس کا نام بلوچ قبائل نے اپنے ہیرو دریا خان لاشاری کے نام پر رکھا ہو۔ کیونکہ ٹوانوں کا علاقہ مٹھہ ٹوانا دریا خان سے کافی فاصلے پر واقع ہے اور اتنے فاصلے پر ایک شہر کی آبادکاری اور مغل افواج کی مصروفیت اسے ناممکن بناتی ہے۔

سندھ کی تاریخ کے ہیرو دریا خان لاشاری کا اصل نام قبول خان لاشاری تھا۔ دریا خان کو سندھ کے سمہ خاندان کے حکمران جام نظام الدین سمہ نے اپنا وزیرِ اعظم بنایا تھا اور جام نظام الدین سمہ اسے اپنا منہ بولا بیٹا کہتے تھے۔ اسی دریا خان نے اراغون لشکر کو درہ بولان کے قریب شکست دی تھی۔ جام نظام الدین نے اپنی وفات کے وقت دریا خان کو اپنی سلطنت کا نگران مقرر کیا تھا اور جام فیروز کو اسی کے حوالے کیا تھا۔

دریائے سندھ کے آر پار کے بلوچ اور سندھی قبائل میں دریا خان بہت مقبول ہوا اور اپنی دلیری اور شجاعت کے بل بوتے پر اس نے سمہ سلطنت کے دفاع کی ہر ممکن کوشش کی تھی۔

21 دسمبر 1521ء کو دریا خان لاشاری فتح پور کی جنگ میں مارا گیا تھا۔

دریا خان لاشاری کو ٹھٹھہ میں دفن کیا گیا۔ ٹھٹھہ میں آپ مبارک خان کے لقب سے مشہور تھے۔

سندھ میں آج ان کو دولھا دریا خان کہا جاتا ہے۔ ڈیرہ جات میں بلوچ قبائل کی آباد کاری کے وقت بلوچوں نے اپنے اس بہادر جرنیل کے نام پر دریا خان شہر کی بنیاد رکھی۔ جو ڈیرہ اسماعیل خان کے سیدھ میں دریائے سندھ کے مشرقی کنارے پر آباد ہوا اور اب ضلع بھکر کی تحصیل ہے۔

حوالہ جات:

1۔ تاریخِ ریاستِ منکیرہ

2. The Indus delta country , by K.Paul Trench, Trubner

3. Makli the Necropolis at Thatha , by Ihsan H. Nadeem

4. Gazetteer of Dera Ismaeel Khan

5. Gazetteer of Dera Ghazi Khan

چودھواں باب

صوفیانہ کلام اور سرائیکی ادب

سرائیکی ادب پر سب سے زیادہ اثر سندھی ادب نے ڈالا ہے۔ حتیٰ کہ سرائیکی کی اکثر لوک داستانیں اور ادبی قصے بھی سندھی ادب سے جڑے ہوئے ہیں۔

سندھی برصغیر کی پہلی زبان ہے جس میں قرآن پاک کا ترجمہ کیا گیا تھا۔ پیر نورالدین جو کہ ایک اسماعیلی مبلغ تھے، نے 1079ء میں سندھی میں صوفیانہ کلام لکھا تھا۔

پیر شمس سبزواری ملتانی نے بھی سندھی میں صوفیانہ کلام لکھا۔ جسے ان کے مریدین نے خوب شہرت دی۔

سمہ سلطنت کے دوران 1351ء سے لے کر 1521ء تک پورے سندھ میں صوفیاء اور صوفیانہ شاعری کی سرپرستی کی گئی۔ اسی سمہ حکومت کے دوران اُچشریف سے قاضی سعید ابن زین الدین بکھر میں آباد ہوئے۔ ان کے بیٹے قاضی قدان کو بکھر میں قاضی بنایا گیا۔ قاضی قدان کو بکھر کی نسبت سے قاضی قدان باکھری بھی کہا جاتا ہے۔

قاضی قدان سید محمد جونپوری کے پیروکار تھے۔ سندھی ادب میں سب سے پہلے دوہا (دوہڑا) قاضی قدان نے ہی تخلیق کیا۔ ان کے صوفیانہ کلام میں قرآنی تعلیمات اور اسلامی پہلو کو دوہا اور سورٹھا شاعری کے ذریعے اجاگر کیا گیا ہے۔

شاہ کریم:

شاہ کریم کے صوفیانہ کلام کو سب سے پہلے بیان العارفین میں میر دریائی ٹھٹھوی نے 1630ء میں لکھا ہے۔ بیان العارفین میں شاہ عبدالکریم نے اپنے مریدین کی ہدایت کے لیے سات ابواب میں کلام لکھا ہے۔

شاہ کریم 1536ء میں مٹیاری میں ایک سادات خانوادے میں پیدا ہوئے۔ مٹیاری کا اصل نام مٹ علوی تھا جو بعد میں مٹیاری بن گیا۔ آپ کے آباؤ اجداد ہرات سے امیر تیمور کے ساتھ آئے تھے اور شاہ کریم ساتویں پشت میں سید حیدر کی اولاد میں سے تھے۔

شاہ کریم جو کلام کے مصنف نے ان کا شجرہ نسب یوں بیان کیا ہے۔

شاہ کریم بن سید لعل محمد بن سید عبدالمومن بن سید ہاشم بن سید جلال محمد بن سید شرف الدین بن سید میر علی بن سید حیدر۔

سید حیدر 1398ء میں سندھ میں آباد ہوئے تھے۔

شاہ کریم فقیرانہ محفلوں میں بیٹھنے کے دلدادہ تھے اور صوفیانہ کلام کے دلدادہ تھے۔ آپ مخدوم زین الدین آف ٹھٹھہ سے بہت متاثر تھے اور مخدوم نوح کے پیروکار تھے۔ مخدوم نوح وہی صوفی بزرگ ہیں جنہوں نے سندھ میں سب سے پہلے قرآن پاک کا فارسی میں ترجمہ کیا تھا۔

شاہ کریم نے صوفیانہ کلام بھی ذکر اور سماع کی ان محفلوں سے شروع کیا جن کے وہ شروع ہی سے عاشق تھے۔

شاہ کریم سندھ کے وہ پہلے صوفی شاعر ہیں جنہوں نے لوک روایات کے کردار کا سب سے پہلے ذکر کیا تھا۔

ان لوک کرداروں میں سسی، سوہنی اور ماروی قابلِ ذکر ہیں۔

شاہ عبداللطیف بھٹائی:

شاہ عبداللطیف بھٹائی شاہ کریم کے پوتے تھے۔شاہ عبداللطیف بھٹائی ہالہ کے علاقے بھٹ میں پیدا ہوئے۔آپ کی پیدائش کا سال 1689ء درج ہے۔آپ 13 یا 14 سال کی عمر میں سندھ کے صوفی شاعر شاہ عنایت سے ملے۔شاہ عبداللطیف بھٹائی کو سندھ کا سب سے بڑا شاعر مانا جاتا ہے۔

شاہ عبداللطیف بھٹآئی مولانا جلال الدین رومی اور ابن العربی سے متاثر تھے۔اسی وجہ سے کچھ دانشوران کی شاعری کو سندھ کی مثنوی کہتے ہیں۔

شاہ عبداللطیف بھٹائی نے صوفیانہ کلام کو میوزک کے ساتھ بیان کرنے کی ابتدا کی۔ان کے صوفیانہ کلام کا نام شاہ جو رسالو ہے۔شاہ جو رسالو میں سر سوراٹھ کے نام سے ایک باب موجود ہے جو موسیقی کے آلات پر پڑھا اور سنایا جاتا ہے۔

شاہ عبداللطیف بھٹائی کو برصغیر کا پہلا ذاکر کہا جاتا ہے جنہوں نے کربلا کے واقعات کو سر کے ساتھ پڑھا اور شاہ جو رسالو میں کربلا کے واقعات کے متعلق ایک مکمل تفصیل درج ہے۔شاہ جو رسالو میں بھٹائی نے سر کیدارو کے نام سے واقعاتِ کربلا کو بیان کیا ہے۔

کیدارو---سندھی میں میدانِ جنگ کو کہتے ہیں۔شاہ عبداللطیف بھٹائی وہ پہلے شاعر ہیں جنہوں نے سندھی میں سب سے پہلے مرثیہ لکھا اور ان کے کلام کو اور بہت سے لوگوں نے اپنایا اور مرثیے کا رواج برصغیر میں مقبول ہوا۔

سر کیدارو میں شاہ عبداللطیف بھٹائی نے واقعاتِ کربلا کو چار حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ ان حصوں کی تفصیل درج ذیل ہے۔

1۔محرم کی آمد:

سر کیدارو میں پہلا حصہ محرم کی آمد کے متعلق ہے اور اس میں امام حسینؑ کا مدینہ سے مکہ

اور کربلا میں آمد کا تفصیل سے ذکر ہے۔

2۔مظلومیتِ امام حسینؑ:

سرکیدارو کے دوسرے حصے میں امام حسینؑ اوران کے ساتھیوں کی مظلومیت کا ذکر ہے کہ کیسے ان غریب الوطن مسافروں کو کربلا کے بے آب و گیاہ صحرا میں بے دردی سے شہید کر دیا گیا۔

3۔امام حسینؑ اوران کے ساتھیوں کی شجاعت:

سرکیدارو کے تیسرے حصے میں امام حسینؑ اوران کے ساتھیوں کی شجاعت اور بہادری کا ذکر ہے کہ کیسے انہوں نے تعداد میں کم ہونے کے باوجود دشمن کے سامنے بہادری اور شجاعت کی داستانیں رقم کیں۔

4۔ملکوتی مہمان:

شاہ عبداللطیف بھٹائی نے سرکیدارو کے چوتھے حصے می شہدائے کربلا کا اللہ تعالیٰ سے تعلق اور ان کا ملکوتی مہمان ہونے کا ذکر ہے۔ شاعرانہ اور صوفیانہ انداز میں شاہ عبداللطیف بھٹائی نے ان تمام واقعاتِ کربلا کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔سندھی اور سرائیکی کے شعراءاور ذاکرین واقعاتِ کربلا کو ہر سال محرم میں اسی تفصیل سے بیان کرتے ہیں جس تفصیل سے بھٹائی نے سرکیدارو میں درج کیا ہے۔محرم کے شروع کے دنوں میں ذاکرین مدینہ سے روانگی، مکہ میں حج کی نیت اور پھر کربلا میں آمد پڑھتے ہیں۔

اس کے بعد تمام شہداء کے بہادری اور شجاعت اور شہادت اوران کا الٰہی وعدوں کو پورا کرنے کا ذکر کیا جاتا ہے۔

یہ کہنا بالکل ثابت ہے کہ شاہ عبداللطیف بھٹائی سندھی شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ

برصغیر پاک و ہند میں وہ پہلے روایتی ذاکر ہیں جنہوں نے واقعاتِ کربلا کو سندھی زبان میں سر کے ساتھ بیان کیا ہے۔ شاہ جو رسالو میں سر کیدارو ان کی اسی عظمت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ شاہ عبداللطیف بھٹائی 1752ء کو فوت ہوئے اور بھٹ شاہ میں دفن ہوئے تھے۔ غلام شاہ کلہوڑو نے آپ کا مقبرہ تعمیر کروایا جو 1754ء میں مکمل ہوا تھا۔

سچل سرمست:

سچل سرمست سندھ کے ایک اور صوفی شاعر ہیں جنہوں نے سندھی اور سرائیکی میں صوفیانہ کلام تخلیق کیا۔ آپ 1739ء میں پیدا ہوئے اور آپ کا پیدائشی نام خواجہ صلاح الدین حافظ عبدالوھاب تھا۔ آپ کا لقب سچل سرمست آپ کی سچائی اور راست گوئی کی وجہ سے دیا گیا تھا۔ سندھی صوفیانہ ادب میں سچل سرمست کو منصور ثانی کہا جاتا ہے جب سچل سرمست سات برس کے تھے تو شاہ عبداللطیف بھٹائی سے ان کی ملاقات ہوئی تھی۔ ملاقات کے دوران عبداللطیف بھٹائی نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تخلیق ہوا یہ بچہ ایسے ایسے روحانی راز آشکار کرے گا جو آج تک میں نے نہیں کیے تھے۔

سچل سرمست کے پاس ایک عصا، ایک طنبورا اور ایک کشتی نما پیالہ ہوا کرتا تھا جو آج بھی درویش اور فقیر ملنگ لوگ لیے پھرتے ہیں۔ سچل سرمست طنبورا بجا کر وجد میں آ کر صوفیانہ کلام پڑھتے رہتے تھے۔

سچل سرمست کو سندھی اور سرائیکی غزل کا پہلا شاعر مانا جاتا ہے۔ ان کی سرائیکی شاعری تین حصوں پر مشتمل ہے۔

--- سی حرفی

--- ڈوہڑا

--- کافی

سرائیکی شعراء نے ان کے دوہڑا اور کافی کے اثرات کو بڑی حد تک اپنایا ہے اور دریائے سندھ کے ساتھ اس طریقہ کی شاعری کے اثرات آج تک نمایاں ہیں۔

سید ثابت علی شاہ:

آپ 1740ء میں سیہون شریف میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد کا نام سید امداد علی شاہ تھا۔ آپ نے سندھی اور سرائیکی زبان میں کربلا کے واقعات پر مرثیے لکھے۔ جنہیں آج بھی سندھ اور سرائیکی علاقہ جات میں ایامِ عزا اور مجالس میں پڑھا جاتا ہے۔ سید ثابت علی شاہ نے لعل شہباز قلندر کی مدح میں بھی شاعری کی ہے۔ سید ثابت علی شاہ 1810ء کو فوت ہوئے۔ آپ کو سہون شریف میں ہی کربلا قصبہ میں دفن کیا گیا ہے۔

سمہ حکمران کے بعد کلہوڑا اور ان کے بعد تالپور حکمرانوں نے سندھ کے ان صوفی شعراء اور ذکر کی ان محفلوں کو جاری رکھا اور حکومتی سطح پر بھی ان کو پذیرائی دی گئی جس کا اثر موجودہ سندھ کے ساتھ ساتھ سرائیکی وسیب پر بھی نمایاں ہے۔

خطہ ملتان، سرائیکی بیلٹ، وادی سندھ کے جغرافیائی مرکز اور تاریخی امین کی صورت ابد سے آباد ہے۔ دیگر خطوں کی طرح یہاں بھی روایات واقدار نے معاشرت سے جنم لیا اور نمو پائی مگر دیگر تہذیبی مراکز کے برعکس یہاں کی روایات واقدار نے صرف الہیات ہی سے پرورش نہیں پائی۔ وادیء سندھ میں بالعموم اور ملتان اور آس پاس کے سرائیکی علاقوں میں بالخصوص پروان چڑھنے والے تصورِ الم کی خالصتاً انسانی صورتِ حال سے ایک قدر انسانی کی تشکیل ہوئی۔

روما و فارس کی تہذیبیں بیک وقت غالب و مغلوب کے تجربے کی حامل نظر آتی ہیں جبکہ

سندھ کی وادی تاریخ امن باطن کی حامل نظر آتی ہے جہاں کے مراکز موہن جودڑو، ہڑپہ اور ٹیکسلا آج بھی آلاتِ حرب کی بجائے سامانِ لطف سے مزین نظر آتے ہیں اور جہاں بمطابق انسائیکلو پیڈیا برٹینکا تاریخ انسانی کا پہلا شعر بصورت ''وید'' ضبط تحریر ہوا۔

وادیءِ سندھ کے تصورِ الم کی صورت بھی یہی ہے کہ غضب و جبر کے غیر حامل باشندگانِ وادی ہی نے اسے اپنے حب الوطنی کے جذبات اور اپنے خون شہداء کے احترام سے سینچا۔

شہادتِ امام حسینؑ ایک ایسا المیہ ثابت ہوئی کہ جس نے ایک قدرِ مشترکہ کی حیثیت سے یہاں نہ صرف پذیرائی حاصل کی بلکہ یہاں کے تاریخی الم میں اور یہاں کی شعریات میں مرثیہ حسینی کے نام سے ایک حقیقت بن گئی۔ جب لوگ عرب دنیا سے جائے امن کی تلاش میں اس سرزمین میں آ بسے تو اسی وادیءِ سندھ کے دامن میں ہر کسی کو امن و آتشی سے رہنے کا موقع ملا۔

حوالہ جات:

1. Historical Dictionary of Sufi Culture of Sindh in Pakistan and India.
2. Sufis of Sindh by Dr. Motilal Jotwani
3. The Shias of Pakistan by Andreas T. Rieck
4. Shah Abdul Latif of Bhit
5. Tuhfat Ul Kiram

6۔وادیء، سندھ کا تصورِ الم اور مرثیہ گوئی از شمیم عارف قریشی

پندھرواں باب

ذکرِ امام حسینؑ اور سرائیکی ادب

سرائیکی بیلٹ میں بالعموم اور بھکر کے علاقوں میں بالخصوص ایامِ محرم اور عزاداریٔ امام حسینؑ لازم وملزوم ہیں۔ سندھ سے چلی ذکر کی روایت اُچ شریف اور ملتان کے راستے ڈیرہ جات اور بھکر کے علاقوں میں مقبول ہوئی اور نسل در نسل سے ان علاقوں میں جاری و ساری ہے۔

سندھ اور سرائیکی بیلٹ میں پروان چڑھا ذاکری کا طریقہ ایک منفرد روایت ہے جس میں ذاکر کربلا میں امام حسینؑ اور ان کے رفقاء کی شہادت کی تفصیلات اور کرداروں کے جذبات بتانے کے لیے مخصوص الفاظ کا چناؤ کرتے ہیں اور نظم کی شکل میں پڑھے جانے والے ڈوہے اور رباعیاں لوگوں کو غم میں شامل کر دیتے ہیں۔

وقت کے ساتھ جیسے جیسے ٹیکنالوجی میں جدت آئی تو مقبول ذاکروں اور نوحہ خوانوں کے آڈیو اور وڈیو ریکارڈنگ بھی مقبول ہوتی گئیں اور یوں ذاکری نے سرائیکی ادب کے ارتقاء میں اپنا ایک منفرد کردار ادا کیا ہے۔

ذکرِ امامِ حسینؑ میں ہر مکتبہ فکر سے لوگ آتے تھے اور کربلا والوں کی یاد مناتے تھے۔ اس زمانے میں فرقہ واریت بھی نہیں تھی۔ اہلِ سنت بھی ذاکری کیا کرتے تھے۔ بھکر کے

علاقے کوندرانوالی سے ایک ذاکر مولوی محمد بخش آف کوندرانوالی تھے جن کے متعلق ہم نے اپنے بزرگوں سے سنا ہے کہ وہ نوتک نشیب اور تھل میں مجالسِ عزا میں ذاکری کیا کرتے تھے اور ہر فرقہ سے لوگ ان کو سننے کے لیے آیا کرتے تھے۔

ضلع بھکر کے علاقے بہل سے سید امیر حسین شاہ کربلائی بہت مشہور و معروف ذاکر تھے۔ انہوں نے ابتدائی تعلیم اپنے بھائی سید خادم حسین شاہ سے حاصل کی تھی۔ سید خادم حسین شاہ لکھنو سے پڑھے ہوئے تھے۔

پاکستان بننے سے پہلے سید خادم حسین شاہ سندھ میں ریاست خیر پور میرس کے چیف جسٹس تھے۔

سید امیر حسین کربلائی نے سندھ اور کچھی کی ذاکری کو خوب پروان چڑھایا اور کچھی میں سرائیکی کے ساتھ ساتھ اردو قصیدے گوئی اور رباعیات کو بھی شروع کیا۔

بہل ہی سے ایک اور ذاکر سید صابر حسین شاہ نے بھی سرائیکی ذاکری میں نام کمایا اور وہ سندھ اور پنجاب کے مقبول ترین ذاکر بنے۔ بھکر کے علاقہ شہانی کا لنگاہ خاندان بھی اس علاقے میں ذاکری روایت کے بانی گھرانوں میں سے ایک ہے۔ لنگاہ خاندان سے پہلے ذاکر بابا محب علی لنگاہ تھے جنہوں نے شہانی اور آس پاس کے علاقوں میں اس روایت کو پھیلایا۔ ان کے بیٹے بختاور علی لنگاہ نے بھی خوب نام کمایا۔

بختاور علی لنگاہ کے دو بیٹے غلام علی لنگاہ اور احمد علی لنگاہ بھی ذاکری کے بہت بڑے نام ہیں۔

احمد علی لنگاہ نے اس روایت کو خوب شہرت دی اور ان کے بہت سارے شاگرد اب اس روایت سے وابستہ ہیں۔ مولوی مرید عباس لنگاہ بھی مشہور ذاکر تھے اور اب ان کے پوتے عون عباس لنگاہ اپنے بزرگوں کا نام روشن کیے ہوئے ہیں۔ اسی لنگاہ خاندان کی رشتہ داری

کوٹ ادو کے جھنڈیر خاندان سے ہے اور جھنڈیر خاندان سے بابا نذر حسین جھنڈیر سرائیکی کے مشہور شاعر اور ذاکر تھے جنہیں فردوسیءِ پاکستان کہا جاتا ہے۔

نذر حسین جھنڈیر کے بھائی فدا حسین جھنڈیر بھی مشہور ذاکر تھے اور اب بھی جھنڈیر فیملی میں یہ روایت نسل در نسل منتقل ہو رہی ہے۔

بھکر کا ترک خاندان نے بھی ذاکری کی روایت کو پھیلایا اور چھینہ کے سید علی شاہ بھی کچھی کے مایہ ناز اور مشہور ذاکر تھے۔

سرائیکی زبان کے چند مشہور ذاکرین مندرجہ ذیل ہیں۔

--- بابا سید مداح حسین شاہ، دائرہ دین پناہ۔

--- سید خادم حسین شاہ گھاگھری

--- سید امیر حسین کربلائی، بہل

--- سید صابر حسین، بہل

--- سید علی حسین قمی، بھکر

--- ناصر عباس، نوتک

--- غلام عباس، نوتک

--- سید نجم الحسن شاہ، جام

--- نصرت عباس چانڈیہ

--- سید عامر عباس ربانی

--- حافظ محمد علی خان بلوچ، لیہ

--- سید ریاض حسین شاہ، موچھ

--- علامہ محمد ثقلین گھلو

--- عون عباس لنگاہ

--- توقیر خان کربلائی

--- یاسین خان کندانی

--- نصرت عباس خان چانڈیو

--- سید تصور عباس شاہ نوتک

سولھواں باب

سرائیکی ادب

سندھی میں شمالی علاقے کو' 'سرو' ' کہتے ہیں اوراس سے مراد وادیٔ سندھ کا شمالی علاقہ ہے جہاں سرائیکی بولی جاتی ہے۔ ضلع بھکر میں سرائیکی کثرت سے بولی جاتی ہے۔ اس زبان کو بھکر کے علاقے کی تمام اقوام چاہے وہ کسی بھی علاقے سے ہجرت کر کے آئے تھے، بولتی ہیں۔ سندھی میں' 'سرو' '، ' 'سرا' ' اور' 'سرائی' ' کے لفظ شمال کے لوگوں کے لیے استعمال ہوتے رہے ہیں اور سرائیکی لفظ انہی الفاظ سے بنا ہے۔ اس زبان کی مٹھاس نے ہر علاقہ پر اپنا اثر چھوڑا ہے۔ اسی زبان کے زیرِ اثر مغرب سے جتنے بھی پشتون قبائل بھکر اور میانوالی میں آباد ہوئے ہیں انہوں نے پشتو کی جگہ سرائیکی کو اپنایا ہے۔

نیازی قبائل کی اکثریت اب یہی زبان بولتی ہے۔ ماہرینِ تاریخ کے نزدیک جب آرین اس علاقے میں وارد ہوئے تو وادیٔ سندھ میں اس وقت آسوری قوم آباد تھی اور ان کی زبان سرائیکی تھی۔ اس حوالے سے وادی سندھ میں سرائیکی ایک قدیم زبان ہے۔

اوبرائن کے مطابق سرائیکی زبان کو سب سے زیادہ جو چیز نمایاں کرتی ہے، وہ اس کا ذخیرۂ الفاظ ہے اور اس میں سندھی اور پنجابی زبان کے الفاظ کی کثرت ہے۔

اوبرائن کے نزدیک ملتانی لہجہ کی مٹھاس اس زبان کو دلکش بناتی ہے۔ یہ ایک ایسی زبان

ہے جو اپنی خاردار رہگزاروں سے محبت کرتی ہے۔

اس زبان میں شعر وغزل، قصہ کہانیوں، بجھارتوں اور محاوروں کا بہت وسیع ذخیرہ موجود ہے جسے اب اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور اور بہاء الدین زکریا یونیورسٹی ملتان کے سرائیکی شعبہ جات نے محفوظ کرنا شروع کر دیا ہے۔

سرائیکی ضرب الامثال:

1۔ لڑھ کندھی لگو

2۔ آپ نہ جوگی گوانڈھ ولائے

3۔ ابا ہلی کتی انھے گلہر جیندی اے

4۔ بکھا تھیا کراڑ پرانے لاہنے پڑے

5۔ منجھیں جھنگ ہن مندھانڑ چوے کھڑے ہن

6۔ اسپغول تے کجھ نہ پھرول

7۔ ہک واری چھٹوں ہا بیٹھے مٹی کٹوں ہا

سرائیکی لوک گیت:

گیت 1:

چٹڑے پدھر تے بہہ کے دل لٹوائی ہم وے

ایں سانگھے اِتھ آئی ہم وے

آ میڈا دلدارا میڈے سینگھیاں دا سردارا

دل لٹ نال گیا او جگ سارا تے میں نہ پرائی ہم وے

ایں سانگھے اِتھ آئی ہم وے

اُڈ پڈ گئیاں کونجاں میں کیندا در ونج ڈھونڈاں
میڈیاں اللہ لیھیسی مونجھاں تے سنجڑی رہی ہم وے
ایں سانگھے اِتھ آئی ہم وے
تڑنگ پئی جو چولے اساں ہاسے کملے بھولے
تیڈے عشق دے چُنڑ چُنڑ کولے تے بھاہ بھڑکائی ہم وے
ایں سانگھے اِتھ آئی ہم وے
آمیڈا دل جانی ، جند جان کراں قربانی
گل پائی ہم عشق دی گانی، تے کھڑ تھمکائی ہم وے
ایں سانگھےاتھ آئی ہم وے

گیت2(سسی پنوں):

ہتھ نپ کے آپ جگیسوں چا میکوں ویندی وار بلوچا
میڈے پیر ملوک تے نازک ہن جنگل پرخار بلوچا
ہائی تشنہ تن من ناں تیڈے میکوں گئیوں مار بلوچا
میڈے پیار تے مٹیاں پا گیا ہے تیڈا اے کردار بلوچا
بلوچا ظالما جادو کیتوئی وے
مٹیاں وچ قبر دے قابو کیتوئی وے
سسی سوچیا خان دی منگ بنڑ کے تیڈے نال بلوچ نبھیسی
جائیں اٹھ تے آپ سوار تھیسی اوں اٹھ تے آنڑ بلھیسی
اے تاں خبر نہیں میں رل ویساں تقدیر جدائیاں پیسی
تبریز میں سمدی سم ویساں میڈاں سفر کر ویسی

بلوچا ظالما صحرا دا پانڑیں وے
سسی مر گئی تسی کملی نمانڑی وے

نہ خان تے خان دے اُٹھ ڈسدن کئی اے جھی لٹ پے گئی اے
جیویں گزری نال نمانڑی دے رب سوہنڑاں زاری سہی اے
ہے درد بلوچ نہ حال پچھا جڈاں سفر روانہ تھائی اے
بس تشنہ مردیاں تائیں شودی ایہو وینڑ کریندی رہی اے

بلوچا ظالما چولے کڈاہی آلے
بہوں اوکھے ہوندن صدمے جدائی والے

کیوں چھوڑ کےتوں دلدار گیائیں ہائین میں وچ کیہڑ یاں کمیاں
میڈے ہاسے لٹ کے ٹر گیا ہیں پچھے درد ہجر تے غمیاں
میڈا ڈکھاں استقبال کیتا ڈکھاں آنڑ دھمالاں دھمیاں
ایویں لگدئے تشنہ جمنڑ ویلے میڈے نال مصیبتاں جمیاں

بلوچا ظالماں رنگلے چوبارے نی
ڈسا میڈےتوں ودھ کیہڑے پیارے نی

حوالہ جات:

1. A Glossary of Multani Language.

2۔سرائیکی زبان کاارتقاء

3. District Gazetteer of Multan
4. District Gazetteer of Bahawalpur
5. District Gazetteer of Dera Ismaeel Khan

سترہواں باب

بھکر اور قدیم تاریخ

رحمٰن ڈھیری:

رحمان ڈھیری کے آثار ڈیرہ اسماعیل خان سے 22 کلومیٹر شمال میں ہیں۔ رحمان ڈھیری برصغیر پاک وہند میں ازمنۂ قدیم کا ایک شہر تھا جس کے آثار اب بھی موجود ہیں۔ رحمٰن ڈھیری دریائے گومل اور دریائے سندھ کے میدانوں پر مشتمل ہے۔ ماہرینِ آثارِ قدیمہ کے مطابق یہ پانچ ہزار سال پرانا شہر تھا جو موہنجودڑو اور ہڑپہ سے بھی پرانا تھا۔ رحمان ڈھیری کا یہ ٹیلہ آج بھی اپنے اردگرد کی سطح سے 20 فٹ بلند ہے۔ اور اس کا پھیلاؤ ایک مستطیل کی شکل میں ہے۔ اس شہر کے لوگ ایسے مکانات میں رہتے تھے جو کہ کچی مٹی کے ڈھیلوں یا اینٹوں سے بنے تھے۔ جو اس عہد کی آب وہوا اور موسم سے موافق تھے۔ رحمان ڈھیری کے آثار کی تحقیق محکمہ آثارِ قدیمہ پاکستان اور پشاور یونیورسٹی کے شعبہ آرکیالوجی نے کی جو کہ پروفیسر فرزند علی درانی کی زیرِ نگرانی 23 جنوری 1976ء سے شروع ہوئی اور اس کے بعد متعدد ماہرینِ آثارِ قدیمہ اس پر تحقیق کر رہے ہیں۔ کھدائی کے دوران اس جگہ سے مرچوں کے بیج، سرسوں، جئی، گندم اور چنے کے دانے اس زمانے کی فصلوں کو ظاہر کرتے ہیں۔ بھکر سے قریب ترین آثارِ قدیمہ میں سے رحمان ڈھیری اور کافر کوٹ ہیں۔

کھدائی کے دوران رحمان ڈھیری سے مختلف مویشیوں، بھیڑ، بکری، ہرن کی ہڈیاں بھی برآمد ہوئی تھیں جو اس بات کی نشاندہی کرتی ہیں کہ اس دور میں بھی پالتو جانوروں کا گوشت ان لوگوں کی خوراک کا اہم جزو تھا۔ کھدائی میں حاصل کی گئی چوڑیوں، منکوں اور زیورات کے نمونوں سے اس زمانے کی عورت کے بناؤ سنگھار کو ظاہر کیا گیا ہے۔ برآمد ہونے والے برتنوں پر ڈیزائن شدہ تیر، دائرے اور دوسرے نقش ان کو ہڑپہ اور موہنجودڑو سے ملاتے ہیں اور یہی نقش و نگار والے آثار وادیٔ سندھ کی تمام تاریخی جگہوں پر ملتے ہیں۔

ماہرینِ آثارِ قدیمہ نے ان باقیات سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ رحمٰن ڈھیری کے آثار وادیٔ سندھ کے قدیم ترین آثار میں سے ایک ہیں۔ اس علاقے میں عام گھریلو استعمال کے برتنوں پر متوازی اور لہرے دار لکیریں ڈالی جاتی تھیں اور ان کی خوبصورتی کے لیے ان پر پالش بھی کی جاتی تھی۔

برآمد ہونے والے آلات میں مٹی کی پکی ہوئی مورتیاں بھی شامل ہیں اور ان کے ساتھ ساتھ بیل کی مورتیاں اور ناگ دیوی کی مورتی بھی شامل ہیں جو اس قدیم زمانے کے مذاہب کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔

رحمٰن ڈھیری کے آثار بھکر سے صرف 50 کلومیٹر کی دوری پر ہیں اور ان آثار پر تحقیق سے ہمیں اس علاقے کی قدیم تاریخ اور رسم و رواج کا پتہ چلتا ہے۔

مغرب سے آنے والے تمام قبائل اور قومیں چاہے وہ آریہ ہوں، کشان ہوں یا کوئی اور، انہوں نے انہی راستوں سے مشرق کی طرف پیش قدمی کی اور اس خطے کی تاریخ و ثقافت پر گہرے اثرات مرتب کیے۔

ماہرینِ تاریخ کے مطابق آریہ سب سے پہلے انہی علاقوں سے مشرق کی طرف گئے۔ ان کی ابتدائی آبادکاری دریائے گومل اور دریائے سندھ کے آس پاس ہوئی۔ کیونکہ یہاں

پانی کی فراوانی تھی اور دریائی زمین کی زرخیزی مویشیوں کے لیے نہایت موزوں تھی۔
آریوں کے ان علاقوں میں آباد ہونے کے ذکران کی کتاب رگ وید میں ملتے ہیں۔اس میں اس علاقے کے دریاؤں کا تفصیل سے ذکر موجود ہے۔دریائے سندھ کے ساتھ ساتھ اس میں دریائے کرم، گومل اوردریائے کابل کا بھی ژکر ہے۔

ایک نظم رگ وید میں کچھ ایسے ہے:

''اے آبی رو!

شاعراپنے معبد میں تمہاری شکتی کے گیت گاتا ہے۔ تین سلسلوں میں بہنے والے دریاؤں میں ہرایک میں سات سات رودیں آکر ملتی ہیں۔

لیکن سندھ سب سے زورآور ہے۔

اے سندھ! جب تم میدانوں کی طرف آتے ہو جہاں وافر اناج اگتا ہےتو وہ زمیں تمہاری راہ میں بانہیں کھول کرتمہاراا ستقبال کرتی ہے۔سندھ کی صدائیں فضاؤں میں اٹھتی ہیں۔ وہ گرجتے بادلوں سے برستے پانیوں کی آواز ہے۔اس کے بہاؤ میں طاقت ہے۔ چمک ہے۔

جیسے گاؤ ماتا اپنے بچوں کے لیے دودھ نیچے لاتی ہے۔اسی طرح دیگرندیوں کا گنگناتا پانی تیرے پاس آتاہے۔

اے گنگا! اے جمنا! اے سرسوتی! میری تعریفیں آپس میں بانٹو۔لیکن اے دریاؤ! جو ان میں شامل ہوتے ہو،سوسامہ (سندھ) میں، میرے الفاظ سنو!

اے سندھ! پہلے تم ترسنامہ کے ساتھ بہتے ہو۔ پھرسوسارتو اور پھر رسا اور پھر سوہنی (دریائے سوات) کے ساتھ پھرتم ملتے ہو کرمو (دریائے کرم)، گمتی (دریائے گومل)، کھبا (دریائے کابل) ---اورتم چلتے ہوان سے مل کراپنی شاہانہ چال۔اے سندھ! تیرارو کنا

مشکل ہے۔ تیرے شفاف پانی کی چمک دمک اور شوکت جو بھر دیتی ہے سارے اطرفا۔ تمام بہتے دریاؤں میں تیری روانی کی ہم سری کوئی نہیں کرسکتا۔ تیری روانی میں جنگلی گھوڑی کی شان ہے اور تیرے حسن میں بھرپور جوان دوشیزہ کا گداز۔ سندھ ہمیشہ سے جوان ہے اور حسین ہے۔ گھوڑوں، رتھوں، کپڑوں اور سونے کی دولت سے معمور ہے۔

یہاں گایوں اور اون کی بہتات ہے اور سنہرے اور خوب صورت پھولوں سے ہر دم ہرا بھرا ہوا ہے۔''

دریائے گومل:

افغان علاقے غزنی کے شمال مشرق سے شروع ہونے والا یہ دریا 400 کلومیٹر کا سفر طے کر کے دریائے سندھ میں شامل ہوجاتا ہے۔ جس مقام پر دریائے سندھ میں شامل ہوتا ہے، وہیں اس کے کنارے پر تعمیر کی گئی یونیورسٹی کا نام اسی دریا کی نسبت سے گومل یونیورسٹی ہے۔ افغانستان سے پاکستان میں داخل ہونے کے بعد دریائے گومل دریائے ژوب کے ساتھ مل جاتا ہے اور ان دونوں دریاؤں کا سنگم ''کھجوری کچھ'' کہلاتا ہے۔

دریائے کرم:

دریائے کرم کا منبع وادیٔ کرم کا کوہِ سفید ہے۔ کوہِ سفید سے نکل کر یہ دریا شمالی وزیرستان سے ہوتا ہوا عیسیٰ خیل کے قریب دریائے سندھ میں شامل ہوجاتا ہے۔

اسی دریا کی نسبت کی وجہ سے وادیٔ کرم کے علاقے کو کرم ایجنسی اور اب ڈسٹرکٹ کرم کا نام دیا گیا ہے۔

دریائے کابل:

دریائے کابل افغانستان کے علاقے میدان وردگ سے ہندوکش کی پہاڑیوں سے نکلتا ہے اور افغان شہروں کابل، سرولی اور جلال آباد سے ہوتا ہوا پاکستان میں داخل ہوتا ہے۔ پشاور، چارسدہ اور نوشہرہ سے ہوتے ہوئے یہ اٹک کے قریب دریائے سندھ میں شامل ہوجاتا ہے۔ قدیم زمانہ سے جتنے بھی قبائل نے مغرب سے مشرق کی طرف ہجرت کی، وہ انہی دریاؤں کے کناروں سے اس علاقے میں آباد ہوئے اور اس علاقے کی تہذیب وتمدن پر انمٹ اثرات چھوڑے۔

کافرکوٹ:

مانسرورجھیل سے لے کر ڈیرہ جات تک دریائے سندھ کے کناروں پر صرف دو ہی قلعوں کے آثار آج تک موجود ہیں۔ ان کو کافرکوٹ کے قلعہ جات کہا جاتا ہے۔ بھکر کی تحصیل کلورکوٹ کے بالکل مغرب میں دریائے سندھ کے مغربی کنارے پر یہ دونوں قلعے موجود ہیں اور دونوں ہی کوہِ سلیمان کی چوٹیوں پر بنائے گئے ہیں۔

ان میں سے ایک کو شمالی کافرکوٹ کہا جاتا ہے اور دوسرے کو جنوبی کافرکوٹ کہتے ہیں۔

شمالی کافرکوٹ:

شمالی کافرکوٹ کے آثار چشمہ بیراج کے مغربی سرے سے چھ کلومیٹر شمال میں ہیں۔ شمالی کافرکوٹ کو ٹل کوٹ بھی کہا جاتا ہے اور تاریخ دان بتاتے ہیں کہ اس قلعے اور اس میں موجود مندروں کو راجہ ٹل نے بنوایا تھا۔

ٹل کوٹ کا قلعہ دریائے سندھ کے مغربی کنارے پر کوہِ سلیمان کی چوٹی پر بنایا گیا

ہے۔اس قلعے کی فصیل آج بھی اپنی اصل حالت میں موجود ہے اور مندروں کی باقیات بھی اب تک باقی ہیں۔

شمالی کافرکوٹ (ٹل کوٹ) کا قلعہ دریائے کرم اور دریائے سندھ کے سنگم پر واقع ہے اور ہزاروں سال سے مغرب سے مشرق کی طرف جانے والے قافلے انہی راستوں سے گزرتے تھے۔

قلعے کی ساخت اسے ایک ناقابلِ تسخیر قلعہ بناتی ہے۔اس کے تین اطراف گہری گہری کھائیاں ہیں جنہیں عبور نہیں کیا جا سکتا ہے۔قلعہ کا اندرونی رقبہ تقریباً 162 ایکڑ پر مشتمل ہے اور اس کے اندر چار مندروں کے معبد اب بھی موجود ہیں۔ان چار میں سے دو کے آثار اب خستہ حالت میں ہیں۔قلعہ کے شمالی اطراف کی فصیل اور گیٹ آج بھی اپنی اصل حالت میں موجود ہیں اور شمالی طرف اس فصیل کی اونچائی 26 فٹ ہے۔

قلعہ کے جنوب مغرب کی طرف سے ٹیمپل سے نظارہ بہت دلفریب اور پر اثر ہے۔ شمالی کافرکوٹ سے دریائے سندھ اور پنجاب کے میدان صاف نظر آتے ہیں۔ان قلعوں کا سب سے پہلے معائنہ برطانوی میجر جنرل کنگھم نے 1882ء میں کیا۔ان قلعوں میں مندروں کی موجودگی یہ ظاہر کرتی ہے کہ یہ ہندوشاہی دور میں تعمیر کیے گئے۔ان مندروں اور ٹیمپل کا ڈیزائن وادیٔ سون کے میلوٹ، کٹاس راج اور سرنہ کے قلعوں سے ملتا ہے۔

شمالی کافرکوٹ (ٹل کوٹ) سے 38 کلومیٹر جنوب میں جنوبی کافرکوٹ واقع ہے۔

جنوبی کافرکوٹ:

اس کو بلوٹ بھی کہتے ہیں۔تاریخ دانوں کے مطابق اسے راجہ ٹل کے بھائی راجہ بل نے تعمیر کرایا تھا اور اس کے نام پر اس کا نام بلوٹ مشہور ہوا۔ ہے۔

اس قلعے کے آثار آج بھی اصل حالت میں موجود ہیں۔ قلعے کے جنوب کی فصیل اور

اس پر گولائی میں واچ ٹاورز کے آثار بھی واضح ہیں۔ اس قلعہ کے درمیان تین مندروں کی باقیات ہیں اور پر اکیا گیا کام ان کو مایاں دور سے ملاتا ہے۔ انہیں رنگ آمیز پتھروں سے تعمیر کیا گیا ہے۔ اس قلعے کے اندر ایک چھوٹا سا تالاب بھی موجود ہے اور دریائے سندھ کی ڈھلوان کی طرف پانچ تالابوں کے آثار بھی موجود ہیں۔ اس قلعہ میں جس قسم کا پتھر استعمال کیا گیا ہے، وہ آس پاس کی پہاڑیوں پر نہیں پایا جاتا بلکہ میانوالی کے علاقے میں سالٹ رینج کے پہاڑوں میں پایا جاتا ہے۔

جنوبی کافر کوٹ (بلوٹ قلعہ) بھی شمالی کافر کوٹ کی طرح ایک پہاڑی چوٹی پر بنایا گیا ہے اور اس کی دفاعی پوزیشن بہت مضبوط رہی ہوں گی۔ اس قلعہ میں موجود ہندو مندر اور ٹیمپل اسے بھی وادیٔ سون کے ان ہندو شاہی مندروں سے ملاتے ہیں جن کے آثار آج بھی اصل حالت میں سیلوٹ، کٹاس راج اور نندانہ میں موجود ہیں۔

مغل بادشاہ ظہیر الدین بابر نے ان دونوں قلعوں کا ذکر اپنی کتاب ''تزکِ بابری'' میں کیا ہے۔ جب بابر نے ٹل کوٹ اور بل کوٹ فتح کیا تو اس نے بلوٹ قلعے میں جس کو اس نے بلوت لکھا ہے، پڑاؤ کیا اور جشن منایا۔ بابر لکھتا ہے کہ خواجہ کلاں عزنی سے شراب کے کئی مٹکے اونٹوں پر لاد کر بلوٹ آیا اور یہیں فتح کی خوشی میں جشنِ مےنوشی منعقد کیا گیا۔

دریائے سندھ کے مشرق میں ماڑی انڈس سے شروع ہوتا سالٹ رینج کا پہاڑی سلسلہ بھی اپنے اندر ازمنۂ قدیم کی تہذیب لیے کھڑا ہے۔ اس علاقے کی تہذیب اور معاشرتی ارتقاء میں ان علاقوں کے قدیم باشندوں نے اپنا اثر ڈالا جو آج تک محسوس کیا جا سکتا ہے۔ اس علاقے میں پائے جانے والے مندر اور قلعے تقریباً ہزار سال پرانے ہیں۔

ماہرین کے مطابق جب سمندر خشک ہوا تو دریائے سندھ کے میدانوں اور سطح مرتفع پوٹھوہار کے مابین سلسلہ کوہِ نمک حائل ہوا جسے سالٹ رینج کہتے ہیں۔ بلوٹ اور کافر کوٹ

کے قلعہ اوران میں موجود مندروں کا ڈیزائن سالٹ رینج کے قلعوں اور مندروں سے ملتا جلتا ہے۔

دیپال گڑھ:

بھکراور ارد گرد کی قدیم تاریخ جاننے کے لیے دیپال گڑھ بھی ایک اہم قدیمی شہر ہے۔ موجودہ کروڑلعل عیسن شہر کا پرانا نام دیپال گڑھ تھا جو کہ اس وقت کے راجہ دیو پال کے نام سے مشہور ہوتا تھا۔ یہ قلعہ ملتان اور کافر کوٹ کے مراکز کے درمیان ایک اہم دفاعی مرکز تھا اور ہندوشاہی سلطنت کا حصہ تھا۔ 395ھ میں افغانی حملہ آور شاہ محمد غزنوی نے کافر کوٹ کے قلعوں کو فتح کرنے کے بعد دیپال گڑھ کا رخ کیا اور قلعہ کا محاصرہ کرلیا۔ قلعہ کی فتح کے بعد محمود غزنوی نے اپنے ساتھ آئے سلطان حسین قریشی کو اس قلعہ میں تبلیغ کے لیے ٹھہرنے کی درخواست کی۔ سلطان حسین قریشی نے اس قلعہ میں مسجد کی بنیاد رکھی اور قلعہ کا نام ''کوٹ کروڑ'' رکھا۔ کروڑ کی وجہ تسمیہ کے بارے میں دو روایات ملتی ہیں۔

1۔ پہلی روایت یہ ہے کہ سلطان حسین قریشی نے ایک کروڑ مرتبہ سورۃ مزمل کا ورد کیا جس کی وجہ سے اس جگہ کا نام ''کوٹ کروڑ'' مشہور ہوا۔

2۔ ''آئینِ اکبری'' میں روایت ہے کہ حکومت کی طرف سے جو لوگ مالیہ کی وصولی پر مامور ہوتے تھے، انہیں ''کروڑی'' کہا جاتا تھا۔

انہی سلطان حسین قریشی کی اولاد میں سے سلسلہ سہروردیہ کے صوفیاء پیدا ہوئے جن میں بہاء الدین زکریا ملتانی، شاہ رکنِ عالم ملتانی، لعل عیسن کروڑ اور مخدوم رشید مشہور ہوئے ہیں۔

دیپال گڑھ کا قلعہ اس علاقے میں دریائے سندھ کے مشرقی کنارے پر سب سے قدیم

آبادکاری تھی اور یہ شہر بھکر، لیہ اور ڈیرہ اسماعیل خان سے بھی قدیم شہر تھا۔ شاہ محمود غزنوی نے دریائے کرم سے ہوکر کافر کوٹ، دیپال گڑھ اور پھر ملتان اور اُچ شریف کو فتح کیا۔ دریائے کرم اور دریائے سندھ کے کنارے پر آباد یہ قلعہ جات مغرب سے آنے والے حملہ آوروں کے لیے ایک اہم دفاعی مراکز سمجھے جاتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ شاہ محمد غزنوی کے بعد جب شہاب الدین غوری نے ان علاقوں پر حملہ کیا تو ان کی فتوحات کے بعد اس علاقے پر علی بن کرماخ کو اپنا گورنر مقرر کیا اور پھر اس علاقے میں مسلمانوں کے اثر و رسوخ میں خاطر خواہ اضافہ ہوا اور دیپال گڑھ برصغیر میں سلسلہ سہروردیہ کا مرکز بنا۔ اس زمانے میں اس شہر کا شمار برصغیر کے مشہور شہروں میں ہوا کرتا تھا۔

سالٹ رینج:

کالا باغ سے شروع ہونے والا یہ سلسلہ جہلم تک چلا جاتا ہے جو سمندر کے خشک ہونے کے بعد سطح مرتفع پوٹھوہار اور وادیٔ سندھ کے میدانوں کے بیچ حائل ہے۔ یہ سلسلہ پہلی قدرتی رکاوٹ ہے جو برصغیر کو یوریشین پلیٹس سے جدا کرتا ہے۔ اس پہاڑی سلسلے میں موجود چٹانیں اور فوسلز زمین کی پوری تاریخ بتاتے ہیں۔ چٹانوں کی تہیں اس علاقے میں عمودی ہیں۔ سکندر مقدونی اس علاقے کے شہر نندنہ سے گزر کر راجہ پورس سے جنگ کرنے دریائے جہلم کے کنارے پہنچا تھا۔ سکندر اعظم کے بعد اس علاقے پر بدھ مت حکومت بنی۔ چھٹی اور ساتویں صدی عیسوی میں اس علاقے میں سہاپورہ (سنگھا پورہ) کے نام کی سلطنت کا ذکر ملتا ہے۔ جس کا مرکزی شہر کٹاس راج تھا۔ اس کے بعد یہ علاقہ ہندو شاہی سلطنت کا حصہ بنا جس میں بلوٹ اور کاب لتک کے علاقے شامل تھے۔ گیارہویں صدی عیسوی میں شاہ محمود غزنوی نے اس علاقے پر قبضہ کرلیا اور اس علاقے کے جنجوعہ قبائل نے

اسلام قبول کرلیا۔اس علاقے میں مشہور ہندو قلعے اور مندر مندرجہ ذیل ہیں۔

1۔میلوٹ

2۔کٹاس راج

3۔نندنہ

میلوٹ مندرMalot Temple:

میلوٹ کے آثار سالٹ رینج کی ایک اونچی چوٹی پر ہیں جس کے تین اطراف گہری کھائیاں ہیں۔اس کے تعمیراتی ڈیزائن اور بلوٹ کے مندروں کے ڈیزائن میں مماثلت پائی جاتی ہے۔میلوٹ کا مندرٹل کوٹ اور بلوٹ کے مندروں سے پرانا ہے۔اس کے تعمیراتی آرکیٹیکچر پر کشمیری مندروں کی تعمیر کا اثر نمایاں ہے۔یہ انتہائی نفیس سرخ پتھروں سے بنایا گیا ہے اور چاروں اطراف ساخت ایک جیسی ہے جو اس پر گندھارا تہذیب کا اثر دکھاتی ہے۔

کٹاس راجKatas Raj:

سالٹ رینج کے پہاڑوں میں بنایا گیا یہ مندر کسی زمانے میں ہندوؤں کی بہت اہم عبادت گاہ تھا۔اس میں ٹیمپل،قلعہ اور رہائش گاہوں کی تعمیرات اس تالاب کے گرد کی گئی ہیں جس کے بارے میں مشہور ہے کہ یہ ہندو دیوتا شیو کا ہے۔لوک روایات میں ہے کہ جب شیو دیوتا نے اپنی بیوی کی موت پر آنسو بہائے تو ان سے یہ تالاب بن گیا جو ایک کٹاس راج میں بنا اور دوسرا راجستھان میں۔ہندی میں ''کٹاس'' روتی ہوئی آنکھ کو کہا جاتا ہے۔

نندنہNandna:

سالٹ رینج کے مشرق میں نندنہ قلعہ کوسلسلہ کوہِ نمک کا گیٹ وے قلعہ بھی کہا جا تا ہے۔ یہ اس راستے پر ہے جس کو مغرب سے آنے والے اکثر فاتحین نے استعمال کیا ہے۔ ہندو شاہی حکمران جب شاہ محمود غزنوی سے جنگ ہارے تو انہوں نے اسی نندنہ میں پناہ لی اور اسے اپنا نیا دارالحکومت بنایا۔ البیرونی نے اسی نندنہ کے آس پاس قیام کیا اور زمین کی پیمائش کی۔

تیرھویں صدی عیسوی میں جلال الدین خوارزم شاہ جنگیز خان سے شکست کھا جانے کے بعد کالا باغ اور تھل سے ہوتا ہوا اسی نندنہ میں پناہ گزین ہو گیا اور یہیں سے جلال الدین خوارزم شاہ نے تھل اور سالٹ رینج کے علاقوں پر اپنی حکمرانی قائم کی اور آس پاس کے علاقوں میانوالی، کلورکوٹ اور موجودہ بھکر کے علاقوں کو اپنے تصرف میں لے لیا۔ جلال الدین خوارزم شاہ نے سلاطینِ دہلی سے بھی امداد طلب کی تا کہ منگولوں سے بدلہ لے سکیں لیکن دہلی کے سلاطین نے منگولوں سے دشمنی لینے میں پس وپیش کیا۔

جلال الدین خوارزم شاہ ناامید ہو کر اس علاقے سے اچ شریف پر حملہ آور ہوا۔ بھکر اور تھل کے علاقوں پر کچھ عرصہ جلال الدین خوارزم شاہ کے مصاحبین نے اپنا تسلط قائم رکھا۔

امب Amb:

امب ایک ویران ہندو ٹیمپل ہے جو کہ سالٹ رینج میں سکیسر کی چوٹی سے آٹھ کلومیٹر جنوب مغرب میں واقع ہے۔ اس کے ٹیمپل کو بھی تاریخ دان ہندو شاہی راج سے جوڑتے ہیں اور اسے بلوٹ اور ٹل کوٹ کا ہم عصر مانتے ہیں۔

حوالہ جات:

1. Gazetteer of Dera Ismaeel Khan
2. Story of Civilization by Will Durant
3. Imperial Gazetteer of N.W.F.P
4. Ancient Pakistan, Vol-vi, Rahman Dheri Excaution Report by Dr. Farzand Ali Durrani
5. Stein, on Alexandar ''s track ti Indus.
6. Wheeler, Sir M. Civilization of Indus Valley & Beyond.
7. Pakistan Handbook by Isobel Shaw
8. Notes on Afghanistan & Balochistan, by H.G.Raverty Vol-II

9۔تاریخِ سرزمینِ گومل

10۔تاریخِ لیہ

11۔تزکِ بابری

12۔ہمایوں نامہ

13. District Gazetteer of Mianwali 1918.

اٹھارواں باب

بھکر اور اس کا مستقبل

پاکستان بننے سے لے کراب تک بھکر نے کچھ حوالوں میں خوب ترقی کی ہے اور بعض حوالی جات میں یہ باقی حوالہ جات میں یہ دیگر علاقوں سے پیچھے رہ گیا ہے۔قیامِ پاکستان کے بعد 1948ء کے ریونیوا یکٹ کے تحت ادارہ ترقیاتِ تھل/تھل ڈویلپمنٹ اتھارٹی (TDA) قائم کیا گیا۔اس ادارہ کے تحت تھل کے زمینداروں سے رقبے لے کرآبادکاروں میں تقسیم کیے گئے تھے۔ڈپٹی کمشنر مظفر گڑھ، ڈپٹی کمشنر سرگودھا اور ڈپٹی کمشنر میانوالی تھل ڈویلپمنٹ اتھارٹی کے ممبرز تھے۔

1950ء میں تھل کینال میں دریائے سندھ سے پانی چھوڑا گیا۔بھکر کی خوش قسمتی میں سب سے بڑا عمل دخل اسی تھل کینال کا ہے جس کے پانی سے تھل کا ریگستان نخلستان بننا شروع ہوا۔گورنمنٹ آف پنجاب نے 1954ء میں اعلان کیا کہ تھل کینال کی حدود کے اندر تھل کے مالکان سے مارجنل ایڈجسٹمنٹ فارمولا کے تحت رقبہ حاصل کیا جائے گا۔

مارجنل ایڈجسٹمنٹ فارمولا Marginal Adjustment Formula:

اس فارمولے کی اہم دفعات مندرجہ ذیل تھیں:

1۔وہ مالکان اراضی جن کا رقبہ 15 ایکڑ سے کم ہے، ان سے رقبہ نہ لیا جائے۔

2۔ 16 ایکڑ سے 100 ایکڑ تک کی اراضی کے مالکان سے 50 فیصد اراضی لی جائے۔

3۔رقبہ ملکیتی ادنیٰ اور مزروعہ ربیع 1951ء اس فارمولا سے مستثنیٰ ہوگا۔

1955ء میں گورنمنت نے ترمیمی ایکٹ نافذ کیا جسے سلیب سسٹم فارمولا کہتے ہیں۔

سلیب سسٹم فارمولا:

اس فارمولے کے نکات مندرجہ ذیل تھے۔

1۔نہری حدود میں 15 ایکڑ اراضی سے کوئی رقبہ نہ لیا جائے گا۔

2۔ایک صد ایکڑ سے زائد رقبہ کے مالکان کو اول پندرہ ایکڑ تک رقبہ چھوڑ کر باقی رقبہ کا نصف بحق سرکار چھوڑنا ہوگا۔

3۔اول 15 ایکڑ محفوظ رکھ کر 16 سے 100 ایکڑ تک کل رقبہ کا نصف اور باقی رقبہ کا چوتھائی حصہ حاصل کیا جائے گا۔

سکیم برائے کاشتکاری Peasant Grant Scheme:

1۔اس سکیم کے تحت فی خاندان ان بے زمین مہاجرین کو زمین دی گئی جو کہ ہندوستان سے ہجرت کر کے آئے تھے۔

2۔ وہ لوگ جو تھل کے اضلاع کے علاوہ سیم، خشک سالی یا دریا کے کٹاؤ کے متاثرہ تھے، ان کو زمینیں الاٹ کی گئیں۔

3۔فوج کے ریٹائرڈ ہونے والے افسران کو زمینیں الاٹ کی گئیں۔

1951ء سے 1963ء تک اس سکیم کے تحت 78642 ایکڑ نہری زمین 5270 افراد کو الاٹ کی گئی تھی۔

یہ زمینیں 150 روپے فی ایکڑ دی گئی تھیں اور یہ رقم بھی 70 اقساط میں ہر چھ ماہ بعد وصول ہونا قرار پائی تھی۔

کنواں/ ٹیوب ویل اسکیم 1952ء:

یہ سکیم 1952ء میں ڈھنگانہ، جنڈانوالہ، مہوٹہ، خانسر اور ھیتو کے علاقوں میں شروع کی گئی۔اس سکیم کے تحت ٹیوب ویل پر 150 ایکڑ اور کنواں لگانے پر 25 ایکٹر فی کس زمین الاٹ کی گئی۔ 9 روپے فی ایکڑ ایڈوانس اور بقایا 80 شش ماہی اقساط میں کل رقم وصول ہونا تھی۔ ٹیوب ویل سکیم کے تحت 196700 ایکڑ رقبہ 1308 افراد کو الاٹ کیا گیا جبکہ 19450 ایکڑ رقبہ 778 افراد کو الاٹ کیا گیا۔

ٹیوب ویل سکیم 1963-64ء:

اس سکیم کے تحت 150 ایکڑ فی فرد کے حوالے سے لیز پر 10 سال کے لیے اراضی دی گئی اور اس میں 20 سال کا اضافہ بھی کیا گیا۔اس سکیم کے تحت بھکر میں 15200 ایکڑ رقبہ 101 افراد میں تقسیم کیا گیا۔

بھیڑ پال سکیم:

اس سکیم کے تحت 1952ء سے 1976ء تک مختلف چکوک میں 40 افراد کو 15 ایکڑ فی کس کے حساب سے زمین 15 سالوں کے لیے الاٹ کی گئی۔

اٹامک انرجی کمیشن سکیم:

میانوالی کے اٹامک انرجی کے متاثرین کے لیے 2880 ایکڑ زمین مختص کی گئی۔

چشمہ بیراج فیز 2:

چشمہ بیراج کے متاثرین کے لیے فیز 2 میں 11552 ایکڑ زمین مختص کی گئی۔

زراعت:

ضلع بھکر میں اکثر آبادی کا ذریعہ معاش کاشتکاری ہے۔بھکر میں اگائی جانے والی چنے کی فصل اسے پورے پاکستان میں ممتاز کرتی ہے۔۔ چنے کا شمار اہم غذائی اجناس میں ہوتا ہے اور پاکستان چنے کی برآمدات میں تیسرے نمبر پر ہے۔محکمہ زراعت کے اندازوں کے مطابق بھکر میں سالانہ تقریباً 8000 من چنا پیدا ہوتا ہے۔ چنے کے بعد زیادہ اگائی جانے والی فسل مونگ کی ہے اوراس کی درجہ بندی میں بھی بھکر پنجاب اور پورے پاکستان میں نمایاں ہے۔

دھنیا کی فصل بھی بہت زیادہ کاشت کی جاتی ہے اور گنا، گندم، جواور باجرہ بھی کاشت کیا جاتا ہے۔گورا کی پیداوار کے حوالے سے بھی بھکر بہت مشہور ہے۔

2002-03ء میں بھکر میں 12 لاکھ من گوارا پیدا ہوا جو پورے ملک کا نصف حصہ ہے۔

پھلوں میں جو پھل بھکر میں زیادہ پیدا ہوتا ہے، وہ کھجور ہے۔صوبہ پنجاب کے بڑے پانچ اضلاع جو کھجور کے حوالے سے مشہور ہیں، بھکران میں سے ایک ہے۔

منکیرہ اور تھل کے خربوزے بھی پورے پاکستان میں اپنی مثال آپ ہیں۔

بھکر بارانی رقبے کے لحاظ سے صوبہ پنجاب کا سب سے بڑا ضلع ہے جس کی نصف سے زائد زرعی اراضی پر کاشت کاری بارشوں کے پانی سے ہوتی ہے۔ضلع بھکر میں کاشت کار گھرانوں میں سے 42 فیصد چھوٹے کسان ہیں جن میں سے ہرایک کے پاس صرف دو ایکڑ زمین ہے۔

58 فیصد زرعی زمین والے درمیانے کسان ہیں۔ان میں سے ہرایک کے پاس رقبہ اوسطاً دس ایکڑ فی کسان ہے۔

ضلع میں بڑے زمیندار تعداد میں تو تمام کاشتکاروں کا 5 فیصد ہیں لیکن یہاں کی 31 فیصد سے زائد زمینیں ان کے پاس ہیں اور اوسطاً ہر ایک کے پاس رقبہ 163 ایکڑ ہے۔

تعلیم:

ضلع بھکر کی چاروں تحصیلوں میں بھکر میں لٹریسی ریٹ سب سے زیادہ یعنی 55 فیصد ہے اور تحصیل دریا خان میں سب سے کم 47 فیصد ہے۔ ضلع کے شہری علاقوں میں 67 فیصد آبادی خواندہ ہے جبکہ دیہی علاقوں میں 46 فیصد آبادی خواندہ ہے۔ مردوں میں خواندگی کی شرح کے حوالے سے بھکر پنجاب میں 25 ویں نمبر پر ہے جبکہ عورتوں میں خواندی کے لحاظ سے بھکر 30 ویں نمبر پر ہے۔

CPEC اور بھکر

پاکستان کے جغرافیہ کو دیکھا جائے تو ضلع بھکر اس کے بالکل وسط میں ملتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ گورنمنٹ آف پاکستان اور چائنا کے بیچ طے پائے جانے والے معاہدہ، چائنا پاکستان اکنامک کوریڈور (CPEC) کے تحت بھکر کی تحصیل کلورکوٹ کو دریائے سندھ پر ایک پل کے ذریعے سی پیک کے مغربی روٹ سے ملایا جا رہا ہے۔ کلورکوٹ سے براستہ ڈھکی یہ روڈ پنیالہ سے لنک ہوگا اور وہاں سے جنوب مغرب میں بلوچستان اور شمال میں شمالی علاقہ جات تک رسائی میں آسانی ہوگی۔ اسی لنک کی بدولت بھکر کے دو شہر نواں جنڈانوالہ اور کلورکوٹ تیزی سے ترقی پذیر ہوں گے کیونکہ وسطی پنجاب کا رابطہ سی پیک کے مغربی کوریڈور سے اسی راستے سے ہوگا اور ایک نیا معاشرتی ارتقا اس علاقے کی تقدیر بدل کر رکھ دے گا۔ ڈیرہ اسماعیل خان، ژوب ڈویژن اور بلوچستان کے ساتھ ساتھ سابقہ فاٹا کے

اضلاع کا سفر بھی اسی لنک کی وجہ سے کم ہوگا اور ان خطوں کی آپس کی دوریاں ختم ہوں گی۔ اور یوں بھکر کا یہ علاقہ مستقبل کے لیے ایک شاندار امید رکھتا ہے جو انشاءاللہ اس علاقے کی عوام کے لیے بہت مفید ہوگا۔

CPEC ریلوے لنک:

سی پیک کے تحت ریلوے لائن کے منصوبوں میں سے ایک منصوبہ کوہستان ژوب سے کوٹلہ جام ریلوے لائن کا ہے۔ کوہستان ژوب سے 560 کلومیٹر کا ریلوے ٹریک براستہ ڈیرہ اسماعیل خان کوٹلہ جام سے لنک ہوگا اور اسی ریلوے ٹریک کے ذریعے چائنا سے گوادر تک مستقبل کی ریل کی نقل و حرکت ہوگی۔ سی پیک کی تفصیلات کے مطابق کوٹلہ جام میں ریلوے جنکشن بنایا جائے گا اور سی پیک کے ریلوے کے منصوبوں میں کوٹلہ جام کی حیثیت مرکزی ہوگی۔ یوں بھکر کی اہمیت آنے والے دنوں میں اور زیادہ بڑھ جائے گی۔ پاکستان کے مختلف خطوں کو ملانے میں یہ ضلع ایک اہم کردار ادا کرے گا۔ وہ دن دور نہیں جب یہاں سے ریلوے ٹرینیں وسطی ایشیا تک کیلئے روانہ ہوں گی۔

---تمت بالخیر---

کچھ مصنف کے بارے میں

سید جاوید حسین شاہ رضائی شاہ جنوبی ضلع بھکر میں 1983ء میں پیدا ہوئے۔ ان کے آباؤ اجداد سندھ کے بکھر سے موجودہ بھکر میں آباد ہوئے تھے۔ گومل یونیورسٹی ڈیرہ اسماعیل خان سے ٹیلی کمیونی کیشن میں بی ایس کی ڈگری لی۔ اور اس کے بعد بہاء الدین زکریا یونیورسٹی ملتان سے ایل ایل بی کیا۔ تاریخ اور ثقافت سے جنون کی حد تک لگاؤ ہے اور اسی شوق نے ان کو ہمت دلائی اور انہوں نے بھکر داستان جیسی دستاویز لگن اور محنت سے تصنیف کر کے شائقینِ تاریخ و ادب کو عطا کی۔

ناصر ملک

اردو سخن پاکستان

urdusukhan@hotmail.com
nasirmalik.01@gmail.com
Https://twitter.com/urdusukhan
https://www.facebook.com/urdusukhancom-138555273080951/

www.urdusukhan.com
ART LAND, Chowk Azam, Distt. Layyah (Punjab) Pakistan